حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ آوَىٰ مُحْدِثًا، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ وَلَعَنَ اللّٰه مَنْ غَيَّرَ الْمَنَارَ» [مسلم:١٩٧٨]

''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس شخص پر جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس شخص پر جو کسی بدعتی کو پناہ دے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس شخص پر جو اپنے والدین پر لعنت بھیجے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس شخص پر جو زمین کے نشانات کو بدل دے۔''

بیوی کے شوہر پر حقوق

اسلام میں جس طرح شوہر کے بیوی پر حقوق ہیں اسی طرح بیوی کے بھی شوہر پر حقوق ہیں۔یعنی جس طرح بیوی کو خاوند کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو کہا گیا ہے اسی طرح شوہر کو بھی بیوی کے ساتھ اچھے سلوک کی زندگی گزارنے کا فرمایا گیا ہے۔جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾[النساء:۱۹]

''اوران کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی گزارو۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو فرمایا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلیوں میں سب سے زیادہ اوپر کا حصہ ٹیڑھا ہے اس کو سیدھا کرو گے تو ٹوٹ جائے گی اور اگر اس کو چھوڑے رہو تو ٹیڑھی ہی رہے گی۔بس عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔'' [بخاری: ۳۳۳۱]

اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اپنے اہل یعنی بیوی کے ساتھ اچھا ہو۔

((اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ)) [ترمذی: ۱۱۶۲]

''تم میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ با اخلاق ہے اور تم میں بہتر وہ ہے جس کا سلوک اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا ہو۔''

اور اگر ہمیں ان میں کوئی خامی نظر آئے یا کوئی کام ان کا پسند نہ آئے تو اس وقت ان کے ساتھ جھگڑا نہیں کرنا چاہیے ان کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے ہوسکتا ہے کہ ان میں کوئی خوبی وقت کے ساتھ ظاہر ہو۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ)) [مسلم: ۱۴۶۷]

''کوئی مسلمان شوہر اپنی مسلمان بیوی سے نفرت نہ کرے اگر اسے اس کی ایک عادت پسند نہیں تو دوسری اور عادتیں پسندیدہ ہوں گی۔'' ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ ہم میں سے کسی شخص کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ اِلَّا فِي الْبَيْتِ))

''جب تو کھائے تو اسے بھی کھلا جب تو پہنے تو اس کو بھی پہنا اس کے چہرے پر نہ مار اسے برا بھلا نہ کہہ اور اس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو گھر کے اندر ہی کرے۔''[ابوداؤد: ۲۱۴۲]

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں بیوی کے بھی کچھ حقوق ہیں۔اس لیے ہمیں چاہیے کہ بیوی کے ساتھ اچھے سلوک کی زندگی گزاریں اس کے حقوق کشادہ دلی کے ساتھ ادا کریں اور ہر معاملے میں ان کے ساتھ احسان کریں۔ [ابوعمار عبدالرحمٰن بلتستانی]

فہرست

جواہر پارے			1
کلمہ طیبہ	بیوی کے شوہر پر حقوق	(ابوعمار عبدالرحمٰن بلتستانی)	2
اداریہ	بادِ سموم	(حافظ احمد شاکر)	5
ارکانِ اسلام	نمازوں کے بعد کے اذکار......(ا)	(غلام مصطفیٰ ظہیر)	7
فہم حدیث	''اطلبوا العلم ولو بالصین''	(حافظ ریاض احمد عاقب)	11
تذکرۂ اسلاف	خاندانِ سعادت قصور............	(ڈاکٹر ابوسلمان شاہ)	14
یادِ رفتگاں	حافظ محمد یحییٰ میر محمدی	(حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاہروی)	22
یادِ رفتگاں	علی ارشد اوران کا کتب خانہ	(محمد اسحاق بھٹی)	24
تعارفِ کتب	تحفۃ الاحوذی	(عبداللہ بن عبدالعزیز)	30
فہرست کتب	فہرست کتب		32
شعر وادب			35

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ [الحجرات: ۱۰]

’’یادرکھو سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔‘‘

مومنوں میں اصلاح کی فضیلت

حضرت ابی الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

《 اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ قَالُوْا بَلٰى قَالَ: صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَاِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ 》 [ترمذی: ۲۵۰۹]

’’کیا میں تمھیں روزہ نماز اور صدقہ سے بڑھ کر افضل عمل نہ بتاؤں؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپس کے تعلقات کی اصلاح کرو کیوں کہ آپس کے تعلقات کا بگاڑ برباد کردینے والا ہے۔‘‘

مصیبت میں مبتلا شخص کو دیکھ کر پڑھنے کی دعا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر کہا:

《 اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا 》 [ترمذی: ۳۴۳۱]

’’تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے مجھے اس مصیبت سے محفوظ رکھا جس میں تمھیں مبتلا کیا ہے اور اس نے مجھے بہت سی دوسری مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی تو وہ جب تک زندہ رہے گا اس مصیبت سے محفوظ رہے گا خواہ وہ کوئی بھی مصیبت ہو۔‘‘

بادِسموم

اداریہ ═══ حافظ احمد شاکر

اسلام قبول کرنے کا معنی یہ ہوتا ہے کہ انسان خود کو اسلام کے دائرے کے اندر محدود کر لے اور اس کا ادراک کر لے کہ اس کو اپنے ہر عمل کا اللہ تعالیٰ کے حضور قیامت کے روز یقیناً جواب دینا اور جزا و سزا کا سامنا کرنا ہوگا۔

ہمارا ہر لیڈر، قائد اور مفتی اس بات کو دہراتا رہتا اور اس کا اعادہ کرتا رہتا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے لیکن عملاً؟ بحیثیت انسان اور اولادِ آدم ہونے کے اس سے خطا و نسیان کا ارتکاب ہوتا رہتا ہے۔ خطاء و نسیان میں اگر سرکشی یعنی بالارادہ غفلت کو معمول نہ بنا لے اور گناہ کو عادت نہ بنا لے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات ستر ماؤں سے زیادہ رحیم و کریم، قابل التوب اور غافر الذنوب ہے بشرطیکہ بندہ اس کی طرف رجوع کرے اس سے مغفرت طلب کرے۔

انبیاء علیہم السلام جب تک دنیا میں رہتے دنیا والوں کو نصیحت فرماتے رہتے تھے لیکن توحید کی دعوت قبول کرنے والے لوگ ہمیشہ چند ہی نکلے۔ قرآنِ حکیم میں ہے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک توحید کی دعوت دی، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کی مدت اور اس کے نتیجے کا موازنہ کیا جائے تو کامیابی قابل رشک محسوس نہیں ہوتی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت بالکل اسی طرح جاری رکھی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور آپ کا فرضِ منصبی تھا۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و شفقت کو عام انسانوں سے مشابہت دینا ہی گستاخی ہے۔ تاہم سمجھنے کے لیے بات کی جارہی ہے کہ جس طرح اولاد کتنی بھی بگڑ جائے والدین اس کو ہمیشہ نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح اسلامی حکومت کا کام ممکن حد تک خود یعنی امور مملکت کو اسلام کے مطابق سرانجام دینا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے عوام اور قوم کو دین کی دعوت دینا اور اسلام پر عمل پیرا ہونے کی نصیحت کرتے رہنا فرض ہے۔ اسی خوبی کو سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے بھلائی کے حکم اور منکرات سے روکنے کو اسلامی حکومت کا امتیاز قرار دیا ہے۔ جب کہ وطن عزیز کی تاریخی حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا قیام مشیت الٰہی کے بعد بطور سبب ''پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ'' کے نعرۂ پر ہی ممکن ہوا۔ تحریک پاکستان کے بانیوں کے دلوں کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن قیامِ پاکستان کے بعد سے لے کر اب تک سیکولر قوتیں وطن عزیز میں نفاذ اسلام کے راستے میں رکاوٹیں ہی کھڑی کرتی اور لیت و لعل سے کام لیتی رہیں۔ ان بے دین عناصر کو علماء دلائل اور مخلص عوام مالی و جانی قربانیوں سے بفضلہٖ تعالیٰ ناکام بناتے رہے۔ تاہم کبھی کم اور کبھی زیادہ نفاذِ اسلام کی آوازیں اٹھتی ہی رہیں۔ خصوصاً ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں عوام نے ثابت کر دیا کہ قلب مسلم سے روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم نکل ہی نہیں سکتی۔ مرحوم جنرل ضیاء الحق نے اسلام ہی کو ماٹو بنا کر اقتدار سنبھالا اور گیارہ سال تک وہ اس کی مالا بھی جپتے رہے لیکن وہ کامیاب کیوں نہ ہو سکے عالمی دباؤ تھا؟ اسٹیبلشمنٹ کی سازشیں تھیں؟ سیاست دانوں کا عدم تعاون تھا؟ علمائے کرام کا سنجیدہ نہ ہونا تھا؟ ان کی قوت ارادی کمزور تھی؟ یا قدرت اہل پاکستان کو شامت اعمال کے باعث اس نعمت سے بہرہ ور کرنا ہی نہیں چاہتی تھی، سب کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کے علم میں ہے کہ وہ وعدہ پورا کیوں نہ کر سکے۔ قیام پاکستان کے لیڈروں کی طرح ہمیں ان کی نیت پر بھی شک نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن ۸۷ء کے حادثہ بہاولپور کے بعد نفاذِ اسلام کی آوازیں اس طرح دھیمی پڑنی شروع ہوئیں حتی کہ وہ ماند ہی پڑ گئیں اور بے دینی کی بادِسموم میں اقامت دین کی تحریک بھی غائب ہوگئی، اور نظام مصطفیٰ کے نعرے بھی، احیاء خلافت کی گرم جوشیاں بھی سرد پڑ گئیں اور دیگر فقہوں کے نفاذ کے وعدے بھی غتر بود ہو گئے۔ خلائی

حکومت نے تو آ کر دھڑ لے سے گیئر ہی الٹا لگا دیا یعنی اہل دین کی بے توقیری اور بے دینی کا پرچار کرنا شروع کر دیا جس کی طاغوت نے پذیرائی بھی خوب کی اور اس کی نمو میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ جس کے بعد سے اب صورت حال یہ ہے کہ ہمارے سیاست دانوں نے نظریہ پاکستان کو جمہوریت کی اوڑھنی میں اس طرح غائب کر دیا ہے کہ اب وہ ایک خواب سا محسوس ہونے لگا ہے جیسا کہ اور بھی بہت سے اہل دل اس خدشے کا اظہار کر چکے اور کر رہے ہیں۔ اور آج ہم بھی اس کی تائید کر رہے ہیں کہ اللہ نہ کرے ہماری مجموعی قومی سوچ اور فکر ہمیں کہیں کسی عذاب کی طرف تو نہیں دھکیل رہی؟ آیئے قرآن حکیم سے ہدایت حاصل کریں اور ان کی روشنی میں درج ذیل آیات پر غور کریں۔

⊙ ''پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے ہم نے ان کو دفعتاً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔'' [الانعام:۴۴]

⊙ ''جنھوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ سو ہم بھی آج کے روز ان کو بھول جائیں گے جیسا کہ وہ اس دن کو بھول گئے اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔'' [الاعراف:۵۱]

⊙ ''سو جب وہ اس کو بھول گئے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو اس بری عادت سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو کہ زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے۔'' [الاعراف:۱۶۵]

⊙ ''تمام منافق مرد عورت آپس میں ایک ہی ہیں یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں یہ اللہ کو بھول گئے اللہ نے انھیں بھلا دیا بے شک منافق ہی فاسق و بدکردار ہیں۔'' [التوبۃ:۶۷]

⊙ ''(جواب ملے گا کہ) اسی طرح ہونا چاہیے تھا تو میری آئی ہوئی آیتوں کو بھول گیا تو آج تو بھی بھلا دیا گیا۔'' [طٰہٰ:۱۲۶]

⊙ ''وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ذات ہے خود ہمیں ہی یہ زیبا نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے بات یہ ہے کہ تو نے انھیں اور ان کے باپ دادوں کو آسودگیاں عطا فرمائیں یہاں تک کہ وہ نصیحت بھلا بیٹھے یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔'' [الفرقان:۱۸]

⊙ ''اب تم اپنے اس دن کی ملاقات کے فراموش کر دینے کا مزہ چکھو ہم نے بھی تمھیں بھلا دیا اور اپنے کیے ہوئے اعمال کی شامت سے ابدی عذاب کا مزہ چکھو۔'' [السجدہ:۱۴]

⊙ ''یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انھوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔'' [ص:۲۶]

⊙ ''اور کہہ دیا گیا کہ آج ہم تمھیں بھلا دیں گے جیسے کہ تم نے اپنے اس دن سے ملنے کو بھلا دیا تھا تمھارا ٹھکانا جہنم ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں۔'' [الجاثیہ:۳۴]

⊙ ''اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنھوں نے اللہ کے احکام کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انھیں اپنی جانوں سے غافل کر دیا اور ایسے ہی لوگ نافرمان فاسق ہوتے ہیں۔'' [الحشر:۱۹]

سطور بالا میں قرآنِ حکیم کی جن آیات کا ترجمہ دیا گیا ہے ان پر غور کیا جائے تو وطن عزیز کے حالات اور حکمرانوں...... بلا استثناء......یعنی اقتدار کی راہداریوں کے خواہش مندوں پر اور ہم عام مسلمانوں پر پوری طرح منطبق ہیں۔ یعنی ان آیات کا ہم مصداق بن رہے ہیں بلکہ بن چکے ہیں۔ خصوصاً یہ آیات کہ جب غفلت و سرکشی اس قدر بڑھ جائے کہ اللہ تعالیٰ نے برائی سے روکنے والوں کو نجات اور برائی کرنے والوں کو سخت عذاب میں پکڑ لیا۔ تو خطرہ یہ محسوس ہونے لگ جاتا ہے کہ شاید قومی طور پر ہم اس حد تک......خدانخواستہ......پہنچ چکے ہیں۔ اس لیے کہ گزشتہ اقوام وملل کا تجزیاتی مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، یا اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت قریب آ جاتا ہے۔

نمازوں کے بعد کے اذکار

تحریر: غلام مصطفیٰ ظہیر، امن پوری

①......سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ
"كنت أعرف انقضاء صلوة النبي صلى الله عليه وسلم بالتكبير ۔" [صحيح بخاري: ٨٤٢۔ صحيح مسلم: ١٢/٥٨٣]
''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اختتام ''اللہ اکبر'' کہنے سے سمجھ جاتا تھا۔''
صحیح مسلم [٥٨٣] میں ہے:
"كنا نعرف انقضاء صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير۔"
''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اختتام تکبیر (اللہ اکبر) سے معلوم کر لیتے تھے۔''
صحیح مسلم کی ہی روایت ہے:
"ما كنا نعرف انقضاء صلاة رسول الله إلا بالتكبير ۔"
''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا پورا ہونا صرف اور صرف ''اللہ اکبر'' کہنے سے معلوم کر لیتے تھے۔''
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت کے الفاظ ہیں:
"إن رفع الصوت بالذكر حين ينصرف الناس من المكتوبة كان على عهد النبي ﷺ وكنت أعلم إذا انصرفوا بذلك إذا سمعتُه ۔" [صحيح بخاري: ٨٤١۔ صحيح مسلم: ١٢٢/٥٨٣]
''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگ فرض سے فارغ ہوتے، تو بلند آواز سے ذکر کرتے۔ میں یہ سن کر معلوم کر لیتا تھا کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے ہیں۔'' (ذکر سے مراد ''اللہ اکبر'' ہے۔)

ثابت ہوا کہ فرض نماز کے بعد امام ہو یا مقتدی بآواز بلند ''اللہ اکبر'' کہے گا، منفرد کا بھی یہی حکم ہے۔ نماز کے بعد باقی اذکار کا اجتماعی طور پر بلند آواز سے پڑھنا ثابت نہیں، ہمارے ہاں جس طرح بعض لوگ نماز کے بعد اجتماعی طور پر بآوازِ بلند ''لا الہ الا اللہ'' پڑھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں یہ چیز نہیں ملتی۔''

②......سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے پھرتے، تو تین بار ''استغفر اللہ'' کہتے، پھر یہ کلمات کہے:
"اللهم! أنت السلام ومنك السلام، تباركت ذاالجلال والإكرام ۔" [صحيح مسلم: ٥٩١]
''اے اللہ! تو سلام ہے، اور تو ہی سلامتی عطا کرنے والا ہے، اے عظمت و بزرگی اور بڑی سخاوت و فیاضی والے اللہ، تو بڑا بابرکت ہے۔''

③......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے، تو اتنا وقت (قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر) بیٹھے رہتے، جتنے وقت میں یہ کلمات کہے جا سکتے ہیں:
"اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ السَّلَامُ، وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۔" [صحيح مسلم: ٥٩٢]
''اے اللہ! تو سلام ہے۔ اور تو ہی سلامتی عطا کرنے والا ہے۔ اے عظمت و بزرگی اور بڑی سعادت و فیاضی والے اللہ، تو بڑا بابرکت ہے۔''

④......سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ کلمات ادا فرماتے تھے:

" لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ـ اَللّٰهُمَّ! لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ ـ" [صحيح بخاری: ٨٤٤ـ صحيح مسلم: ٥٩٣]

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اُس ہی کی بادشاہی ہے۔ تعریف بھی اُسی کی ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اے اللہ! تیری عطا میں کوئی بندش نہیں ڈال سکتا، جسے تو عطا نہ کرے اُسے کوئی عطا نہیں کرسکتا۔ تیرے سامنے کسی بخت والے کو اس کا بخت کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔''

⑤......سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے بعد انہی کلمات کے ساتھ تہلیل بیان کرتے تھے:

" لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ـ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ، وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ـ"

[صحيح مسلم: ٥٩٤]

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ اپنی ذات وصفات میں اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہی ہے، اور اسی کے لیے تعریف ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ طاقت وقدرت صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، ہم اُسی ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی کے لیے نعمت ہے اور اسی کے لیے فضل ہے۔ اچھی تعریف بھی اُسی کی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ ہم خالص اُسی ہی کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں۔''

⑥......سیدنا معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے معاذ! اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ تو معاذ ؓ نے (جواب میں) کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اللہ کی قسم! میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ نماز کے بعد یہ دعا کبھی نہ چھوڑیں۔

" اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ـ"

''اے اللہ! اپنے ذکر وشکر اور حسن وخوبی کے ساتھ اپنی عبادت کرنے کی مدد فرما۔''

یہی وصیت سیدنا معاذ ؓ نے راوی حدیث اور اپنے شاگرد عبدالرحمٰن بن عسیلۃ الصنابحی کو کی، انھوں نے اپنے شاگرد ابوعبدالرحمٰن الحبلی کو کی، انھوں نے اپنے شاگرد عقبہ بن مسلم کو کی۔

[مسند الامام احمد: ۵/۲۴۴-۲۴۵، ابوداود: ۱۵۲۲، نسائی: ۱۳۰۴، وسندہ صحیح]

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ [۷۵۱] امام ابن حبان [۲۰۲۰، ۲۰۲۱] اور امام حاکم [۱/۲۷۳، ۳/۲۷۳] نے صحیح کہا ہے۔ حافظ ذہبی ؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

[نتائج الافكار: ٢/٢٨١]

حافظ نووی ؒ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

[الاذكار، ص: ٦٩ـ خلاصة الاحكام: ١/٤٦٨]

المؤید بن محمد الطّوسی کہتے ہیں: ''حدیث عزیز حسن۔''

[الاربعین، ص: ۱۰۰]

⑦......سیدنا علی بن ابی طالب ؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے، سلام پھیرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

" اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَسْرَفْتُ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ

مِنِّیْ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ۔"

[صحیح مسلم: ۷۷۱/ ۲۰۲۔ مسند الامام احمد: ۱۰۲/۱]

''اے اللہ! میرے پہلے اور بعد کے گناہ معاف فرما، میرے پوشیدہ اور ظاہری گناہوں کو بھی معاف فرما، جو میں نے اسراف کیا اس کو بھی معاف فرما، اس گناہ کو بھی معاف فرما، جسے تو مجھ سے خوب جانتا ہے، تو ہی مقدم اور مؤخر ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔''

⑧...... مسلم بن ابی بکرہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے والد کے پاس سے گزرے، وہ دعا کر رہے تھے، کہتے ہیں کہ وہ دعائیہ کلمات میں نے بھی سیکھ لیے اور ہر نماز کے بعد ان کے ساتھ دعا کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میرے والد صاحب میرے پاس سے گزرے، میں ان کلمات کے ساتھ دعا کر رہا تھا۔ تو کہنے لگے اے بیٹا! آپ نے یہ کلمات کہاں سے سیکھے ہیں؟ انھوں نے کہا ابا جی! میں آپ کو ہر نماز کے بعد ان کلمات کے ساتھ دعا کرتے سنتا تھا۔ تو میں نے بھی سیکھ لیے، ان کے والد گرامی کہنے لگے، بیٹا! ان دعائیہ کلمات کو پابندی سے ادا کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

" اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ ۔" [مسند الامام احمد: ٤٤/٥۔ نسائی: ٥٤٦٧۔ حاکم: ٣٥/١ وسنده حسن]

''اے اللہ! میں کفر، فقیری اور عذابِ قبر سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔''

''اس حدیث کو امام ابن خزیمہ [۷۴۷] نے ''صحیح'' اور امام حاکم نے امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ [نتائج الافکار: ۲۹۳/۲] نے ''حسن'' کہا ہے۔

عثمان الشحام راوی ''صدوق حسن الحدیث'' ہے، امام احمد، امام ابن عدی، امام ابن معین، امام ابوزرعہ، امام وکیع، امام ابن حبان، امام ابوحاتم اور امام ابن خزیمہ نے ''ثقہ'' کہا ہے۔

مسلم کو امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام عجلی اور امام حاکم نے ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔

⑨...... " عن أبی ذر أن ناساً من أصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قالوا للنبی صلی الله علیه وسلم یا رسول اللّٰه! ذهب أهل الدثور بالأجور، یصلون كما نصلی، ویصومون كما نصوم، ویتصدقون بفضول أموالهم، قال: أُویس قد جعل اللّٰه لكم ما تصدقون؟ إن بكل تسبیحة صدقة، وكل تكبیرة صدقة، وكل تحمیدة صدقة، وكل تهلیلة صدقة، وأمر بالمعروف صدقة، ونهی عن منكر صدقة، وفی بضع أحدكم صدقة، قالوا: یا رسول الله صلی الله علیه وسلم! أیاتی أحدنا شهوته ویكون له فیها أجر؟ قال: أرأیتم لو وضعها فی حرام أكان فیها وزر؟ فكذلك إذا وضعها فی الحلال كان له أجر ۔"

''سیدنا ابوذر سے روایت ہے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ سے کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! امیر لوگ اجر وثواب کی بازی لے گئے۔ وہ نماز پڑھتے ہیں، جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں۔ وہ روزہ رکھتے ہیں جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں۔ وہ صدقہ بھی کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو صدقہ کے اسباب مہیا نہیں کیے؟ یقیناً یہ تسبیح وسبحان اللہ صدقہ ہے، ہر تکبیر (اللہ اکبر) صدقہ ہے۔ ہر تحمید (الحمدللہ) صدقہ ہے، ہر تہلیل (لا إلٰہ إلا اللہ) صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے، اور بیوی سے مباشرت صدقہ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ تو آدمی اپنی شہوت مٹاتا ہے۔ اس میں بھی اجر ہے؟ فرمایا کیا خیال ہے، اگر وہ بدکاری کا ارتکاب کرے تو اس پر گناہ ہے یا نہیں؟ اس طرح جب وہ اپنی بیوی کے پاس جائے گا تو اس کے لیے

اجر ہے۔'' [صحیح مسلم: ۱۰۰۶]

⑩......سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نادار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، کہنے لگے مالدار مال کے سبب درجات علیٰ اور دائمی نعمتوں میں سبقت لے گئے، وہ نماز پڑھتے ہیں، جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں۔ وہ روزے رکھتے ہیں جیسے ہم روزے رکھتے ہیں۔ ان کے پاس زائد مال ہے، وہ اس سے حج وعمرہ اور صدقہ کرتے ہیں۔ فرمایا: کیا میں آپ کو ایسی چیز نہ بتاؤں کہ اگر آپ اس پر عمل پیرا ہو گئے تو سبقت لے جانے والوں کے برابر ہو جاؤ گے۔ آپ کے بعد کا کوئی ثانی نہیں ہوگا۔ آپ سب سے بہتر بن جاؤ گے، سوائے اس شخص کے جو آپ جیسا عمل کرے۔ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار ''سبحان اللہ'' ۳۳ بار ''الحمد للہ'' اور ۳۳ بار ''اللہ اکبر'' کہو۔

[صحیح بخاری: ۸۴۳۔ صحیح مسلم: ۵۹۵]

صحیح مسلم [۵۹۵] کی روایت میں ہے کہ وہ نادار مہاجر صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگے کہ ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی سن کر ہمارے جیسا عمل شروع کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے نواز دے۔

صحیح بخاری [۶۳۲۹] میں ہے کہ آپ ہر نماز کے بعد ۱۰ بار ''سبحان اللہ'' ۱۰ بار ''الحمد للہ'' اور ۱۰ بار ''اللہ اکبر'' کہتے۔

⑪...... " عن أبي ذر قال: قلت: يا رسول الله! سبق أهل الأموال الدثر بالأجر، يقولون كما نقول، وينفقون ولا ينفق، فقال رسول الله ﷺ أفلا أدلك على عمل إذا أنت قلته أدركت من قبلك وفُتّ من بعدك إلا من قال مثل قولك، تسبح دبر كل صلاة ثلاثاً وثلاثين، وتحمده الله ثلاثاً وثلاثين، وتكبر أربعاً وثلاثين ـ" [مسند الحميدي: ۱۳۳۔ ابن ماجه: ۹۲۷۔ مسند الامام احمد: ۱۵۸/۵۔ الاوسط لابن المنذر: ۱۵۵۸ وسنده حسن، وصححه ابن خزيمه: ۷۴۸۔ اس کا راوی عاصم بن سفیان ''حسن الحدیث'' ہے، اس کو امام ابن خزیمہ اور ابن حبان نے ''ثقہ'' کہا ہے۔]

''سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مالدار اجر وثواب کی بازی لے گئے ہیں، وہ کہتے ہیں جو ہم کہتے ہیں، وہ خرچ کرتے ہیں ہم خرچ نہیں کر سکتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں آپ کو ایسے عمل کی راہنمائی نہ کروں، جب آپ وہ عمل کریں گے، جو آپ سے سبقت لے گیا، آپ اس کے مرتبہ ومقام کو پا لو گے۔ اپنے بعد آنے والے سے سبقت لے جاؤ گے، سوائے اس شخص کے جو آپ والا عمل کرے گا۔ آپ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار ''سبحان اللہ''، ۳۳ بار ''الحمد للہ'' اور ۳۴ بار ''اللہ اکبر'' کہو۔''

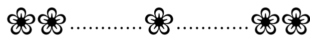
⑫......سیدنا کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" معقبات لا يخيب قائلهن أو فاعلهن دبر كل صلاة مكتوبة: ثلاث وثلاثون تسبيحة، وثلاث وثلاثون تحميدة، وأربع وثلاثون تكبيرةً ـ"

[صحيح مسلم: ۵۴۹۶]

''ہر (فرض) نماز کے بعد چند کلمات کہے جاتے ہیں۔ یہ کلمات کہنے والا ناکام ونامراد نہیں ہو سکتا۔ وہ یہ ہیں: ۳۳ بار ''سبحان اللہ''، ۳۳ بار ''الحمد للہ''، اور ۳۴ بار ''اللہ اکبر''۔''

⑬......سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے ہر نماز کے بعد ۳۳ بار ''سبحان اللہ''، ۳۳ بار ''الحمد للہ''، اور ۳۳ بار ''اللہ اکبر'' کہا تو یہ ننانوے ہوئے۔ اس نے سو پورا کرتے ہوئے کہا: "لا إله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير" [صحیح مسلم: ۵۹۷] تو اس کے تمام (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔'' [جاری ہے]



الکلام المتین فی تحقیق حدیث

''اطلبوا العلم ولو بالصین''

حدیث چین کی تحقیق

حافظ ریاض احمد عاقب

اہل عقل ودانش اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ عروج آدم خاکی کا واحد ذریعہ تحقیق ہے۔ جن اقوام نے تحقیق کے دامن میں پناہ لی، آج وہ اس تحقیق کی بدولت آسمان وزمین کے قلابے ملا رہی ہیں۔ اور جن اقوام نے تحقیق وتفتیش سے نظریں چرائیں، آج ان کو زمانے نے دنیا والوں کے لیے نشان عبرت بنا دیا۔ تحقیق نے اپنے پاس آنے والے بے مایہ انسانوں کو اوج ثریا تک پہنچا دیا، دور بھاگنے والوں کا تاج رفعت خاک وخون میں ملا دیا۔

تحقیق سے اعراض کرنے والی قومیں تباہی وبربادی، نکبت وبدبختی اور ذلت ورسوائی میں اس شعر کا مصداق بن گئیں ۔

ہر مزار ماغریباں نے چراغ ، نے گل
نے پر پروانہ سوزد ، نے صدائے بلبل

میں نے یہ تمہید اس لیے باندھی ہے کہ اکثر ہمارے اردو کے اخبارات وجرائد اور مجلّات ورسائل میں، قلم کار، اور کالم نگار، تجزیہ نگار اور لکھاری حضرات بلاتحقیق وتفتیش اور بغیر جانچ پڑتال کے کچھ ایسی نگارشات وتحریرات زیب قرطاس کر جاتے ہیں کہ جن کا کوئی حوالہ نہیں ہوتا اور اس سے بڑھ کر المیہ یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی تحریرات میں ایسی من گھڑت روایات واحادیث رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں جن کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ حالانکہ نبی مکرم ﷺ کی طرف باطل روایات اور موضوع احادیث منسوب کرنا گناہ عظیم ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح المسند'' میں باب قائم کیا ہے ''بَابُ اِثْمِ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ'' اور احادیث مبارکہ ذکر کی ہیں:

① ...... حدیث علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

'' لَا تَكْذِبُوْا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ. '' [رقم الحدیث: ۱۰۶ صحیح البخاری]

''مجھ پر جھوٹ مت باندھو، پس جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ آگ میں داخل ہوگا۔''

② ...... حدیث زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے:

'' مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. ''

[رقم الحدیث: ۱۰۷]

''جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ آگ بنا لے۔''

③ ...... حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

'' مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. ''

''کہ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ آگ بنا لے۔'' [رقم ۱۰۸ مصدر سابق]

مذکورہ احادیث مبارکہ سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا اور باطل روایات منسوب کرنا گناہ عظیم ہے اور جہنم کا

باعث ہے جب یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنا کبیرہ گناہ ہے تو ایسے حضرات کو باطل اور نا قابل اعتبار روایات نقل کرنے میں تأمل کرنا چاہیے۔

ایسی باطل روایات میں ایک حدیث ''حدیث چین'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ جس کو بڑی شدومد سے بیان کیا جاتا ہے۔ ہمارے کالم نگار بھائی علم کی فضیلت واہمیت کے ساتھ ساتھ چین کی حیثیت واضح کرنے کے لیے اس حدیث کو بکثرت لکھتے ہیں۔

بلکہ اکثر واعظین حضرات علم کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے یہ روایت بیان کرتے ہیں۔ اور ہمارے اکثر سکولوں کی دیواروں پر،اور سکول کے کمروں کے اندر چارٹس وغیرہ پر یہ حدیث مکتوب ہوتی ہے۔لکھا ہوتا ہے:

" أُطْلُبُو الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ ۔ "

''تم علم حاصل کروخواہ وہ چین میں ہو۔''

اس روایت کوابن عدی رحمہ اللہ نے " الكامل فی الضعفاء" [٤/ ١١٨] ابونعیم رحمہ اللہ نے''اخبار اصبهان ''[٢/ ١٠٦]،خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے'' تاریخ بغداد' (۳۶۴/۹) اور کتاب الرحلة (۱/۲)،بیہقی رحمہ اللہ نے "المدخل"(٢٤١، ٣٢٤) ابن عبدالبر رحمہ اللہ جامع بيان العلم (١/ ٧-٨)، اورضیاء نے المستقٰی(١/ ٢٨)میں " حسن بن عطيه، ثنا ابوعاتكه طريف بن سليمان عن انس" کی سند سے نقل کیا ہے۔

بلکہ ان حضرات نے" فَإِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ" کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

اورامام عقیلی رحمہ اللہ نے اسی روایت کو'' الضعفاء" (٢/ ٢٣٠) میں "حماد بن خالد الخياط قال حدثنا طريف بن سليمان"کی سند سے نکالا ہے۔

اورفرمایا ہے:

" وَلَا يُحْفَظُ: " وَلَوْ بِالصِّيْنِ" إِلَّا عَنْ أَبِيْ عَاتِكَةَ وَهُوَ مَتْرُوْكُ الحديث......الخ

''اورحدیث چین صرف ابوعاتکہ سے محفوظ ہے اوروہ''متروک الحدیث'' ہے۔''

الغرض اس حدیث کا دار مدار ابو عاتکہ طریف بن سلیمان پر ہے جوکہ بالاتفاق ضعیف ہے۔

جس طرح امام عقیلی رحمہ اللہ نے اسے''متروک الحدیث'' کہا ہے۔ اورامام بخاری رحمہ اللہ نے اسے''منکر الحدیث'' امام نسائی نے ليس بثقة اورامام دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھو:[ميزان الاعتدال (٢/ ٣٣٥) از ذهبی رحمہ اللہ اور لسان الميزان (١/ ١٩٣، ٦/ ٣٠٤)از حافظ ابن حجر رحمہ اللہ]امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ نے اسے' ذاهب الحديث ' کہا ہے۔ملاحظہ کریں:[كتاب المجروحين (١/ ٣٨٢)]

اوراس روایت کوعلامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے " الموضوعات" (١/ ٣٤٧) میں ذکر کیا ہے اورفرمایا ہے کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا یہ حدیث باطل ہے جس کا کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو المقاصد الحسنہ ص:۶۳، میں نقل کیا ہے۔شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو باطل قرار دیا ہے۔ دیکھو السلسلة الضعيفة (١/ ٦٠٠) رقم (٤١٦)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے" اللآلی(١/ ١٩٣) میں اس روایت کے دوطرق بھی نقل کیے ہیں۔

لیکن یہ دونوں طرق ساقط الاعتبار ہیں۔ پہلے طریق میں یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم العسقلانی راوی ہے جسے علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کو کذاب کہا ہے۔

اور دوسرے طریق میں احمد بن عبداللہ الجویباری راوی ہے جس کے بارے امام ابن حبان نے کہا ہے وہ دجال ہے،امام نسائی رحمہ اللہ،امام دارقطنی اور حاکم رحمہ اللہ نے اسے کذاب کہا ہے اورامام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ احادیث وضع کرتا تھا۔دیکھو ميزان الاعتدال

(۱۰۸،۱۰٦/۱)

خلاصۃ التحقیق:

گزشتہ تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث چین باطل ہے اس کا کوئی طرق بھی صحیح ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا اسے تحریر کرنے اور مجمع عام میں بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

تنبیہ:

حدیث کا دوسرا حصہ

" طَلَبُ الْعِلْمُ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ ۔ "

''علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

یہ کئی طرق (سندوں) سے مروی ہے۔

یہ حصہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے "السنن (۲۲٤)، اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے المعجم الکبیر (۱۰/ ۱۵)، المعجم الاوسط (۱/ ۷)، المعجم الصغیر (۳٦)، امام ابویعلی نے مسند ابی یعلیٰ (٥/ ۲۲۳)، (٥/ ۲۸۳)، (۷/ ۹٦)، امام بزار نے مسند بزار (۱/ ۱۷٦)، اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان (۲/ ۲٥۳) میں نقل کیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے پچاس طرق جمع کیے ہیں۔ حافظ مزی رحمہ اللہ، علامہ ذہبی رحمہ اللہ، علامہ سیوطی رحمہ اللہ، علامہ سخاوی رحمہ اللہ اور شیخ الالبانی رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم نے اس حدیث کو صحیح اور حسن قرار دیا ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھیں:

[المقاصد الحسنة (٤٤٠)، (٦٦٠)، الدرر المنتشرة (۲۹۹)، کشف الخفاء (١٦٦٥)، تدریب الراوی (۲/ ۱۷٤)، تخریج احادیث مشکلة الفقر (٤٨)، (٨٦) اورالسلسة الضعيفة (۱/ ٦۰٤)]

علامہ الالبانی رحمہ اللہ نے "تخریج المشکلة الفقر (٤٨) میں اس کے بیس طرق جمع کیے ہیں اور اس روایت کو بالجزم حسن قرار دیا ہے۔

نوٹ:

بعض حضرات

" طلب العلم فریضة علی کل مسلم ۔ "

کے ساتھ ''ومسلمة'' کا لفظ بھی زیادۃً نقل کرتے ہیں لیکن یہ زیادتی کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ومسلمة'' کا اضافہ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

دیکھو [المقاصد الحسنة (٦٦٢)]

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب .

خاندان سعادت قصور اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ ❷

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری

اس مضمون کی پہلی قسط الاعتصام کے گزشتہ شمارہ (نمبر۱۴) میں چھپی۔افسوس ہے اس میں پروف ریڈنگ کی چند غلطیاں رہ گئیں۔ ① پہلے کالم کی دوسری سطر میں ''گل سرسبد'' کے بجائے ''گل سرسید'' چھپ گیا۔ ② اسی کالم کی تیرھویں سطر میں ''تبرکات آزاد'' کو ''برکات آزاد'' بنا دیا گیا۔ ③ دوسرے صفحے کے پہلے کالم کی دوسری سطر میں بھی ''گل سرسبد'' کی جگہ ''گل سرسید'' ہے۔ ④ تیسرے صفحے کی سطر نمبر ۱۸ میں ''۱۶۔نومبر ۱۹۴۳'' لکھا ہے جو غلط ہے۔صحیح تاریخ ۱۶۔نومبر ۱۹۴۲ء ہے۔ ⑤ مضمون کے چوتھے صفحے کی سطر ۱۵ اور ۱۹ اس طرح چھپ گئی ہیں جو ابوبکر سے متعلق ہیں کہ ''انھوں نے ہارورڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔۱۹۸۰ء میں جب کہ ان کی عمر ساٹھ برس کی تھی، انتقال کیا۔'' یہ ساری عبارت غلط ہے۔حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبداللہ قصوری کے تیسرے بیٹے ابوبکر نے تمام تعلیم پاکستان میں حاصل کی۔وہ ملک سے باہر نہیں گئے۔نہ انھوں نے پی ایچ ڈی کیا۔ان کی وفات ۱۴۔مئی ۱۹۹۷ء کو ہوئی۔ لیکن اس غلطی کا تعلق پروف ریڈنگ سے نہیں ہے۔ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری نے یہ عبارت عبداللہ ملک کی کتاب ''میاں محمود علی قصوری'' سے نقل کی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ ⑥ مضمون کے صفحہ ۵ کے کالم نمبر ایک میں شعر غلط کمپوز ہوا ہے۔شعر اس طرح ہے:

دردے کیں نامہ می کردم رقم　　　　کان یجر الدمع ممزوجا بدم

⑦ اسی صفحے کے کالم نمبر دو کا دوسرا مصرع اس طرح کمپوز ہوا ہے جو غلط ہے۔''ہر کس کہ شود ہمرہ با دشمن خویش موت'' صحیح اس طرح ہے: ''ہر کس کہ شود ہم رہِ ما دشمن خویش است''

ڈاکٹر صاحب نے یہ مضمون میرے نام گھر کے پتے پر ارسال کیا تھا۔میں خود اسے دفتر الاعتصام دے کر آیا اور متعلقہ آدمی سے کہا کہ کمپوزنگ کے بعد مجھے دکھایا جائے، میں اس کی پروف ریڈنگ کروں گا۔اس اثنا میں میں بیمار ہوگیا، نہ خود دفتر جاسکا نہ کمپوز شدہ مضمون مجھے بھیجا گیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلی قسط میں غلطیاں رہ گئیں۔اس پر معذرت خواہ ہوں۔ [محمد اسحاق بھٹی]

غور فرمایئے! مولانا ابوالکلام آزاد نے مولوی محی الدین اور ان کے خاندان کے بارے میں کیا کہا ہے؟

مولانا نے خاندان سعادت قصور کے بارے میں:

''خصائص ایمانی، جوشِ ایمانی اور ایثار للہ وفی اللہ ...... تین خصوصیات بیان کرکے ایمان کے رسوخ، عقیدے کی محکمی اور عزائم کے باب میں جوشِ عمل وخدمت اور کارزارِ حیات میں استقامت اور ایثارِ جان ومال کی طرف اشارہ کرکے اور ''عہد سلف کو زندہ کرنے والا'' کہہ کر کیا کچھ نہیں کہہ دیا، جو اس بارے میں کہا جانا چاہیے تھا۔''

اور ایک صاحب عزم کے بارے میں اور کیا پوچھنا چاہیے تھا کہ اس میں ذوق واستعداد کامل اور طلب صادق کا کیا حال ہے؟ ہر کوئی جانتا ہے کہ میدان عمل میں نتائج کا راز اور مدار انہی دو باتوں پر ہوتا ہے اور اس سے چند در چند امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں، جس میں یہ دو خوبیاں موجود ہوں۔آپ سوچیے کہ یہ بات کون کہہ سکتا ہے کہ

''مولانا محی الدین احمد قصوری میں استعداد کامل اور طلب صادق کی خوبیاں نہ تھیں یا انھوں نے اپنے وقت میں قوم ووطن اور دین وملت کی خدمت کی راہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی امیدوں کو پورا نہیں کر دکھایا؟''

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ انھوں نے شعبہ تعلیم میں درس وتدریس کے شوق میں گزارا تھا۔۱۹۱۲ء میں ۱۳؍جولائی کو الہلال کلکتہ کا پہلا نمبر شائع ہوا تھا۔ہم اس تاریخ کو مولانا محی الدین میں ایک مبارک

انقلاب اور ان کے عہد سعادت کے آغاز کی تاریخ قرار دیتے ہیں۔ ۲۳/اکتوبر۱۹۱۲ءکوالہلال میں ان کا مضمون شائع ہوا، اس مضمون کے مطالعے سے کتاب وسنت سے ان کے جس عشق کا مولانا آزاد کو اندازہ ہوا۔ پھر ۱۶۔ ۱۹۱۵ء میں ان کے قیام کلکتہ کی ملاقاتوں اور صحبتوں میں ان کے فکر وعقائد، ذوق علمی و دینی اور ذہنی صلاحیتوں اور قابلیتوں اور سیرت کے جن اعلیٰ عمدہ خصائص کا علم ہوا۔ پھر ۱۹۔ ۱۹۱۸ء میں رانچی میں نظر بندی کی خلوتوں میں ان کی استعداد کامل اور طلب صادق کے بارے میں غور وفکر کے بعد جس نتیجے پر پہنچے تھے۔ ان کی خانہ تلاشی اور گرفتاری اور آئندہ سے ان کی زندگی کے بارے میں خطرات کا خیال آیا تو دل میں چھپی ہوئی رائے اور مولانا قصوری سے وابستہ امیدوں سے پردہ اٹھ گیا اور یہ بات ان کے قلم سے بے ساختہ نکل گئی کہ یہ کیا ہوا؟

''اس عزیز کے طلب صادق اوراستعداد کامل سے تو اپنی چند در چند امیدیں وابستہ تھیں، افسوس! فتنۂ حوادث نے اس کو بھی نہ چھوڑا۔''

مولانا قصوری کی زندگی کے آخری دور کی سرگرمیوں اور مشاغل اور دعوتِ قرآن اور اصلاح امت کے شوق اور ولولوں کو دیکھ کر تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ انھوں نے اپنے استاد اور پیر ومرشد کی آرزوؤں کو اور امیدوں کو پورا نہیں کیا۔ ان کی زندگی کے شب وروز انہی مشاغل میں گزرے جس کی مولانا آزاد نے ان سے امید کی تھی۔ مولانا محی الدین احمد قصوری نے ۲۴ جنوری ۱۹۷۱ء کو لاہور میں انتقال کیا اور میت کو قصور لے جاکر ان کے والد گرامی کے پہلو میں انھیں دفن کیا گیا۔

مولانا مرحوم کی اولاد:

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے مولانا محی الدین قصوری مرحوم کے چار بیٹوں اور پانچ بیٹیوں کا ذکر کیا ہے۔

① ......صلاح الدین احمد: مولانا محی الدین قصوری کے بڑے بیٹے، اخلاق وتہذیب کا مجسمہ اور بے شمار خوبیوں کے جامع تھے۔ کاروبار تجارت ان کا ذریعہ معاش تھا۔ ۱۹۹۲ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔

② ......معین الدین احمد قریشی: یہ مولانا محی الدین قصوری کے وہ نام ور اور لائق وفائق بیٹے اور پاکستان کے وہ محسن فرزند ہیں، جو ۱۹۹۳ء میں معاشی بحران اور کرپشن کے منجدھار میں پھنسی پاکستان کی ڈوبتی کشتی کو پار لگانے کے لیے نگراں وزیر اعظم کی صورت میں امریکہ کے آسمان سے اتارے گئے تھے اور تین مہینوں کی مختصر مدت میں حالات سدھار کے، الیکشن کروا کے اور نئی انتظامیہ کو حکومت کی باگ ڈور حوالے کرکے پھر اپنے مرکز کی طرف پرواز کر گئے تھے۔ پاکستان کی مخلوق ان کی قابلیت، ان کے اخلاص اور بے لوثی وبے غرضی پر حیران وششدر ہے اور کہتی ہے، ضرورت ہے ایک ایسے مخلص، ایمان دار، مدبر، منتظم وکار گزار محسن پاکستان کی!

عبداللہ ملک نے خالص تاریخی زبان میں لکھا ہے کہ معین الدین احمد قریشی جو عالمی بینک کے اعلیٰ ترین عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے، انھیں حزب اقتدار اور حزبِ اختلاف کے اتفاق اور پاکستان فوج کے مشورے سے ۱۸/ جولائی ۱۹۹۳ء کو نگراں وزیر اعظم بنایا گیا۔ نگراں حکومت نے نومبر نئے انتخاب کرائے، جس کے نتیجے میں پیپلز پارٹی کی لیڈر بے نظیر بھٹو (شہید) برسر اقتدار آئیں اور مسلم لیگ کے میاں نواز شریف نے حزبِ اختلاف کا کردار ادا کیا۔''

[میاں محمود علی قصوری، عبداللہ ملک، لاہور ۱۹۹۵ء، ص: ۷۱، ۷۲]

③ ......سلمان قریشی: محکمہ پولیس کے ایک نہایت فرض شناس آفیسر تھے۔ ڈی آئی جی تک ان کی ترقی کا پتا چلتا ہے۔ آخر میں انھیں سٹاف کالج (لاہور) کے پرنسپل بنا دیا گیا تھا۔ اسی عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

④ ...... بلال قریشی، یہ مولانا محی الدین کے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی نے انھیں کراچی میں مصروفِ کاروبار لکھا ہے۔

② ......مولانا محمد علی ایم اے (کینٹب): مولانا محمد علی، مولانا

عبدالقادر قصوری کے منجھلے بیٹے تھے۔۱۸۹۲ء میں قصور میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونی ورسٹی سے بی اے پاس کیا۔اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ چلے گئے۔کیمبرج یونیورسٹی سے ریاضی میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ اب قانون پڑھنا شروع کیا تھا کہ جولائی ۱۹۱۴ء میں مختصر عرصے کے لیے وطن آئے تھے۔ اسی مہینے میں جنگ عظیم چھڑ گئی اور پھر وہ لندن نہ جا سکے۔

سیاسی ذوق رکھتے تھے۔ وطن کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔امت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے خواہاں تھے اور ترکی خلافت کی بقا اور استحکام کو ملت اسلامیہ کی آبرو سمجھتے تھے۔ جنگ عظیم چھڑ جانے سے ترکی خلافت اور اسلامی ممالک کے لیے گونا گوں خطرات پیدا ہو گئے تھے۔قوم کے رعایت پسند، خطاب یافتہ اور جاگیر و سرمایہ رکھنے والے لوگ برٹش استعمار کے معاون اور ہمدرد تھے لیکن استعمار دشمن اور حریت پسند رہنما برٹش حکومت کو کوئی امداد پہنچانا نہیں چاہتے تھے۔ دہلی کی انقلابی پارٹی جس کے اراکین حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، محمد علی آف کامریڈ اور دیوبند اور کلکتہ کے انقلابی......مولانا محمود حسن محدث دیوبندی اور مولانا ابوالکلام آزاد ایڈیٹر الہلال بھی ان کے رابطے میں تھے۔حریت پسندی اور ملت پروری کے رشتے میں سب منسلک تھے۔

اسی زمانے (۱۵۔۱۹۱۳ء) میں مولانا محمود حسن دیوبندی کی تحریک جمعیت اور ان کے مرکز دہلی میں مولانا عبیداللہ سندھی، اس کے انچارج تھے۔ترکی خلافت کے تحفظ اور اسلامی ممالک کے لیے خطرات نے سب کو بے چین کر دیا تھا۔اس کے باوجود کہ کوئی خاص منصوبہ اور واضح پروگرام کسی کے سامنے نہ تھا اور اس بات پر سب متفق تھے کہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔اور ملک میں اور ملک سے باہر تک آزادی اور بیداری کی ایک زبردست تحریک پیدا کر دینی چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ طے پایا کہ جماعت کے چند افراد کو کابل پہنچ کر آزادیٔ وطن اور ملت اسلامیہ کے مفاد و مصالح کے مطابق حالات کا رخ بدلنے اور وقت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس شوریٰ کے سب سے کم عمر، لیکن فاضل ترین رکن مولانا محمد علی قصوری تھے۔قرعہ فال ان ہی کے نام نکلا کہ ایثار و عزیمت کی راہ میں پہلا قدم وہ اٹھائیں گے۔ یہ حسن اتفاق تھا کہ حبیبیہ کالج، کابل کی پرنسپل شپ کی پیش کش موجود تھی اور اس کے لیے نوجوان قصوری میں مطلوبہ شرائط سے زیادہ اور غیر معمولی قابلیت موجود تھی، انھیں کو حکم ہوا کہ وہ فوراً کابل روانہ ہو جائیں۔کابل جانا مولانا عبیداللہ سندھی کا بھی طے ہو گیا تھا۔لیکن ان کی فوری روانگی میں چند در چند موانع تھے۔اس لیے انھیں کچھ عرصہ ٹھہرنا پڑا۔

مولانا محمد علی قصوری مارچ ۱۹۱۵ء میں کابل روانہ ہو گئے۔ان کے ساتھ مولانا احمد علی لاہوری کے چھوٹے بھائی اور مولانا سندھی کے شاگرد مثل اولاد عزیز احمد کو جو ابھی کم عمر تھے روانہ کر دیا گیا تھا۔مولانا قصوری نے کابل پہنچ کر حبیبیہ کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے کام شروع کر دیا اور عزیز احمد کو اسی کالج میں داخل کر لیا۔مولانا عبیداللہ سندھی دہلی سے تو اسی زمانے میں نکل گئے تھے۔ چند ماہ سندھ میں گزارے۔سفر کے لیے چند رفقا کو تیار کیا، سفر کے انتظامات کیے۔ وہ ۱۵۔اکتوبر ۱۹۱۵ء سے پہلے کابل نہ پہنچ سکے تھے۔مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے اپنے طور پر فیصلہ کر لیا کہ انھیں حجاز پہنچ کر ترکی خلافت کی امداد اور اپنے وطن کی آزادی کے لیے حالات کو سازگار بنانا چاہیے۔چناں چہ وہ وسط ستمبر میں اپنے مرکز دیوبند سے نکلے اور اوائل اکتوبر ۱۹۱۵ء میں حجاز پہنچے اور اسی وقت سے اپنا کام شروع کر دیا۔

مولانا محمد علی قصوری نے کابل پہنچ کر کالج کا چارج سنبھالتے ہی اپنے سیاسی مقصد کے مطابق کام کا آغاز کر دیا۔ان کا پہلا کام اربابِ حکومت میں رسوخ اور ان کا اعتماد حاصل کرنا تھا۔ان کی یہ مشکل حبیبیہ کالج کی پرنسپل شپ نے دور کر دی۔ کالج چھوٹا سا اور زیادہ سے زیادہ ہائی اسکول کی سطح کا تھا۔لیکن اس کی پرنسپلی ایک بڑا منصب تھا۔ان جیسی قابلیت کا شخص کابل میں کوئی نہ تھا۔کالج کے تعلق سے عوام اور حکومت کے عمال سے اونچی سوسائٹی اور امیر حبیب اللہ اور ان کے دربار تک انھیں احترام اور عزت کا بلند مقام حاصل ہو گیا۔انھوں نے کابل کی اونچی سوسائٹی میں جلد ہی اعتماد پیدا کر لیا۔اسی دوران انھوں نے آزاد

علاقے میں مجاہدین سے رابطہ پیدا کرلیا۔ یہ ان کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اس باب میں ان کے والد گرامی مولانا عبدالقادر کی شہرت، نیک نامی اور تحریک مجاہدین کے امرا وسفرا سے ان کے تعلقات اور شناسائی بہت کام آئی۔

کابل کی سوسائٹی میں ادنیٰ تا اعلیٰ رسوخ حاصل کرنے اور اعتماد پیدا کرنے میں خصوصاً حکومت کے اونچے طبقے میں جگہ بنانے میں جرمن، ترکی، ہندوستانی مشن نے بڑا کام کیا۔ اس وقت انگریزی زبان میں ان کی قابلیت اور فارسی سے ان کی واقفیت بہت کام آئی۔ یہ مشن اکتوبر ۱۹۱۵ء کے پہلے ہفتے میں کابل پہنچا تھا اور جرمن، آسٹرین، ترک اور ہندوستانی نمائندوں پر مشتمل تھا۔ مشن کے ارکان کی حکومت سے گفتگو میں مولانا محمد علی کو حکومت کے ترجمان کی حیثیت سے حصہ لینا پڑا۔ اس طرح حکومت کابل کے سبھی ارکان میں نہ صرف ان کی علمی قابلیت کی بلکہ تدبر کی دھاک بٹھا دی اور مشن کے ارکان میں بھی ان کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اس صورت حال نے مولانا قصوری کے لیے موقع سے فائدہ اٹھانے کا دروازہ کھول دیا۔ وہ ہندوستان سے کابل میں تازہ وارد تھے۔ ہندوستان کے بارے میں ان کی معلومات اپ ٹو ڈیٹ تھیں، جب کہ مشن کے ہر دو ہندوستانی ممبر راجہ مہندر پرتاب اور مولانا برکت اللہ بھوپالی ہندوستان سے برسوں پہلے نکلے تھے اور جنگ چھڑ جانے کے بعد ہندوستان میں موسم کی تبدیلی کا انھیں کچھ پتا نہ تھا۔ مولانا قصوری زیادہ صحیح اور تازہ معلومات رکھتے تھے اور یہ دلائل پر زور انداز میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت بھی کر سکتے تھے۔ یہ بات چوں کہ جرمن اسٹرین ممبران نے مجموعی کر لی تھی۔ اس لیے عارضی حکومت کی تکمیل میں ان کا زیادہ دخل رہا۔ عارضی حکومت میں انھیں وزارت خارجہ کا اہم منصب دیا گیا تھا، اس کا یہی پس منظر تھا۔

یہ خصوصیت مولانا عبیداللہ سندھی میں بھی تھی، لیکن انگریزی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے جرمن اور آسٹرین کو تو وہ اپنی قابلیت سے بالکل متاثر نہ کر سکتے تھے۔ لیکن ان ملکوں کے ممبران اور ترکی کے رکن گفتگو میں ان کے اعتماد سے ان کے تدبر کا اندازہ لگا سکتے تھے اور ہندوستانی ممبران تو ایک حد تک ان کے زیر اثر آ گئے تھے۔ میرے پاس اس بات کا کوئی ثبوت تو نہیں لیکن جو حالات مطالعے میں آئے ہیں ان سے یہ بات بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ ان کو عارضی حکومت میں وزیر داخلہ بنائے جانے میں مولانا قصوری کی ذہانت کی کارفرمائی اور کوشش کا بھی دخل تھا۔ یہ بات نظر انداز نہ کر دینی چاہیے کہ مولانا قصوری ہندوستان کی عارضی حکومت کی تشکیل کی گفتگو اور فیصلے میں شریک تھے اور مولانا سندھی کو حکومت کی تشکیل وقیام کے بعد اس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ اور اس بات میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ آزاد قبائل کے جنگ جوؤں اور مجاہدین کو آزاد حکومت کی فوج قرار دینا اور مولوی محمد بشیر کو وزیر دفاع بنوانا تو مولانا قصوری کے تدبر اور اعلیٰ دماغی کا ثبوت ہے۔ ان کی منشا کے بغیر یہ بات ظہور میں آ ہی نہیں سکتی تھی۔ اس بات اور اس کی اہمیت سے راجہ صاحب اور مولانا بھوپالی بالکل بے خبر تھے اور جنود ربانیہ کے بارے میں مولانا سندھی کا منصوبہ اس سے بالکل مختلف اور قطعی طور پر غیر واضح تھا۔ اس کی عملی تشکیل اور قیام کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مولانا قصوری سازشوں کو شکار نہ ہوتے اور انھیں کابل نہ چھوڑنا پڑتا تو تاریخ کا فیصلہ بالکل دوسرا ہوتا!

مولانا محمد علی کی خدمات جتنی اہم تھیں اسی کے مطابق ان کی ذمہ داریاں تھیں اور ویسی ہی انھیں سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ کابل میں ان کا پہلا سابقہ ان مزدور انگریزوں سے پڑا جو انجینئر بنے ہوئے تھے اور حکومت کو لوٹ رہے تھے۔ وہ ان کے دشمن بن گئے۔ پھر حکومت کے خود غرض اور نااہل عمال تھے۔ ان کا جال تمام محکموں تک پھیلا ہوا تھا۔ ان سے اوپر برٹش حکومت کے آلۂ کار اور جاسوس تھے۔ مولانا قصوری بہت قابل تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان سب دشمنانِ دین ووطن سے نمٹنے کی صلاحیت اور ان سے مقابلے کی طاقت بھی رکھتے تھے۔ ان دشمنوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کی داستان بڑی طویل ہے۔ یہ سازشیں رنگ لائیں اور بالآخر مولانا قصوری کو ۱۹۱۶ء کے ختم ہوتے ہوتے کابل چھوڑ دینا پڑا۔

مولانا قصوری نے اپنی زندگی قوم کی آزادی اور ملت کی بہبود کے

لیے وقف کر دی تھی۔ وہ کابل میں عزت واحترام کے ایک منصب سے دامن جھاڑ کر اٹھے، اور کابل سے نکل کر آزاد قبائل کی راہ لی۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے مجاہدین کے نظم وتربیت کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور ایک عرصے تک کامل توجہ اور تن دہی سے اس کام میں مصروف رہے۔ متعدد معرکوں میں فتوحات نے ان کی حیثیت اور مقام کو بہت بلند کر دیا، ان کی نیک نامی کا تذکرہ ہر کہہ ومہہ کی زبان پر آ گیا۔ اور تاریخ مجاہدین میں ایک روشن باب کا اضافہ ہوا۔ لیکن جب عالم گیر جنگ نے اپنے آغاز وعروج اور فتوحات کے بعد نتائج کا مال غنیمت سمیٹنا شروع کیا، حالات نے پلٹا کھایا اور افراد جماعت اور اقوام وقبائل کے طرز فکر میں تبدیلی کے آثار نمایاں ہوئے۔ اور انجام صاف نظر آنے لگا کہ اب قدیم طرز سیاست وطاقت اور اسلحہ کے ذریعے سے ملک وملت کی خدمات انجام نہیں دی جا سکتیں تو مولانا قصوری کو بھی قوم وملت اور مذہب ووطن کی خدمت کے لیے طرز سیاست اور میدان کار کو بدلنے اور سعی وجہد کے نئے میدان کی جستجو ہوئی۔ اور قدرت نے اس کا انتظام بھی کر دیا۔ ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی تھی کہ وہ ہندوستان لوٹ آئے۔ انھیں خود سوچنے اور اکابر واعیان اور اعزہ واحباب سے مشورہ ومذاکرہ کرنے اور پرسکون ماحول میں فیصلہ کرنے کی مہلت مل گئی تھی۔

اس مہلت کے ساتھ انھیں اعلیٰ سرکاری ملازمت، کسی کالج اور یونی ورسٹی میں کوئی عہدہ چن لینے، تحقیق وتالیف کا کوئی ادارہ قائم کر لینے میں امداد کی پیش کش موجود تھی۔ یہ بات اسی سلسلے میں کہی گئی تھی کہ وہ اگر اپنی ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی زندگی کے تجربات مرتب کر دیں تو بہ طور رائیلٹی ایک لاکھ روپے دیے جائیں گے۔ لیکن وہ اپنی زندگی کے تجربات سے برٹش استعمار کو قوم ووطن اور ملت کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ حکومت کی ہر پیش کش کی انھیں ایک قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ اس لیے انھوں نے حکومت کی کوئی پیش کش قبول نہیں کی۔

انھوں نے حکومت کی ہر تجویز سے رخ پھیر لیا اور ہر پیش کش کے فوائد سے بے پروا ہو کر اپنے آزادانہ فیصلے اور والد گرامی کے مشورے اور امداد سے کاروبار تجارت کے میدان میں قدم رکھا تھا۔ میرے علم کے مطابق انھوں نے کسی قومی وسیاسی تحریک کے ردّ وقبول سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔ لیکن وہ اپنی سرگرمیوں کے لیے حکومت کو کسی یقین دہانی کرانے کے لیے بھی تیار نہیں تھے۔ حکومت بھی کسی ایسے شخص سے مطمئن نہیں ہو سکتی تھی۔ حکومت نے انھیں معاف نہیں کر دیا تھا۔ اس نے ان کے کاروبار میں اڑچنیں پیدا کیں، قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالیں اور یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ کاروبار تباہ ہو کر ہی رہا، جس کا اثر نہ صرف ان کے خاندان کی معاشیات پر پڑا بلکہ دینی خدمات کے ان سلسلوں پر بھی پڑا جن سے ملت کی فلاح اور دعوت وارشاد کے بہترین نتائج کی امیدیں وابستہ تھیں۔

مولانا محمد علی قصوری کا شمار رجال کار اور اصحابِ عزیمت میں ہوتا ہے۔ ان کی زندگی قومی وملی خدمت کے عملی میدانوں میں گزری۔ وہ تصنیف وتالیف کے مردِ میدان نہیں تھے۔ ان کی زندگی میں تصنیف وتالیف کی مشغولیتوں کے ہنگامے نظر نہیں آتے۔ اس کے باوجود ان جیسے صاحب علم وفکر، شائق مطالعہ وجہاں دیدہ شخص کے لیے ممکن ہی نہ تھا کہ اسے کبھی کسی موضوع پر قلم اٹھانے کا اتفاق ہی نہ ہوتا۔ ان کی زندگی میں یہ اتفاقات پیش آئے ہیں۔ چناں چہ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے ''اللّٰہ کی بادشاہت'' اور ''قرآنی دعوت انقلاب'' نامی دو تالیفات کا ذکر کیا ہے۔ اور ایک اہم اور نادر مضمون ''فتنۂ انکارِ حدیث کا عقلی اور تاریخی تجزیہ'' کے عنوان سے خود مولانا بھٹی صاحب نے اپنے ہی زیر ادارت الاعتصام لاہور کے ''حجیت حدیث نمبر'' میں چھاپا تھا۔ اس کے علاوہ مولانا بھٹی صاحب نے ہفت روزہ ''توحید'' امرتسر میں ان کے مضامین کی نشان دہی کی ہے۔ ''مشاہدات کابل ویاغستان'' ان کی بہت مشہور کتاب ہے۔ میری دست رس میں ان کی یہی ایک کتاب ہے۔ یہ ان کی زندگی کے چار سالوں کی معرکہ آرا حیات بخش اور بصیرت افروز سرگزشت ہے۔ (۱)

(۱)...... مولانا محمد علی قصوری نے انگریزی میں قرآنِ مجید کا ترجمہ شروع کیا تھا۔ پانچ پاروں کا ترجمہ مکمل ہو گیا تھا جو ٹائپ بھی کر لیا گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد وہ وفات پا گئے اور کام آگے نہ بڑھ سکا۔ [محمد اسحاق بھٹی]

زندگی کے آخری دور میں دینی کاموں سے ان کی دلچسپی خصوصاً درس وتعلیم قرآن کے اہتمام میں ان کا انہماک بہت بڑھ گیا تھا۔۱۲ر جنوری ۱۹۵۶ء کولاہور میں ان کا انتقال ہوگیا۔

ان کے کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔اللہ تعالیٰ نے انھیں مریم صادقہ، عائشہ خالدہ، حفصہ زاہدہ، عارفہ، منیّہ سمیہ اور اسماء نامی نیک سیرت اور صالح وسعادت مند چھ بیٹیوں کے انعام سے نوازا تھا۔

③......احمد علی: مولانا عبدالقادر قصوری کے تیسرے بیٹے احمد علی تھے۔ وہ ۱۸۹۵ء کے قریبی زمانے میں بہ مقام قصور پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں پائی، پھر اسکول میں داخل ہوئے۔میٹرک سے آگے نہ بڑھ سکے۔شروع ہی سے کاروبار میں مشغول ہوگئے تھے۔اسی تعلق سے طویل عرصے تک امرتسر میں مقیم رہے۔اگست ۱۹۴۷ء سے کچھ پہلے لاہور آگئے تھے اور آزادی کے کچھ عرصے بعد لاہور ہی میں وفات پائی۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی نے ان کی حلیم الطبعی، خوش مزاجی اور تواضع کی خوبیوں کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ خاندان کے موروثی اخلاق وسیرت میں شرافت ونجابت کے اوصافِ حمیدہ سے متصف تھے۔محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی نے ان کے ایک بیٹے محمد کا ذکر کیا ہے جو فوج میں میجر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔مولانا آزاد کے خطوط میں کئی بار ان کے لیے سلام آیا ہے۔

④......محمود علی قصوری: مولانا محی الدین احمد قصوری کے چوتھے اور سب سے چھوٹے بھائی محمود علی قصوری تھے۔وہ ۳۱۔دسمبر ۱۹۱۰ء کو قصور میں پیدا ہوئے۔

سیاست کا شوق انھیں شروع سے تھا۔۱۹۳۰ء میں ممبئی کانگرس کمیٹی کے سیکرٹری تھے۔اسی سال انھوں نے ممبئی یونی ورسٹی سے بی اوایل کی سند حاصل کی تھی۔۲۶ر جنوری ۱۹۳۰ء کو کانگریس نے پہلا یومِ آزادی منایا تھا۔ ہندوستان میں آج تک اسی تاریخ کو ''یومِ آزادی'' منایا جاتا ہے۔میاں محمود علی قصوری پہلا یومِ آزادی منانے کے جرم میں گرفتار ہوئے اور چار مہینے کے لیے جیل بھیج دیے گئے۔۱۹۳۲ء میں وہ قانون کی اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن گئے اور ڈگری لے کر وطن لوٹے تو مسلم لیگ کی سیاست سے متاثر تھے۔ان کے والد گرامی نے ان کی موجودگی میں مولانا ابوالکلام آزاد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''اب تک ہمارے گھر میں مسلم لیگ کا چرچا نہیں ہوا تھا۔لیکن اب محمود علی لندن سے تعلیم مکمل کر کے آئے ہیں تو مسلم لیگ میں شرکت کے لیے پرتول رہے ہیں۔''

مولانا آزاد نے جواب میں فرمایا:

''نوجوانوں کا راستہ نہیں روکنا چاہیے۔ یہ جدھر جاتے ہیں جانے دیجیے۔گھوم پھر کر خود ہی اپنی منزل تلاش کرلیں گے۔''

پھر میاں صاحب سے مخاطب ہوکر فرمایا:

''آپ مسلم لیگ میں شامل ہوجایئے اور اس کے پلیٹ فارم سے ملک اور قوم کی خدمت کیجیے۔''

مولانا ابوالکلام آزاد کو یقین تھا کہ جب وہ ملک کی آزادی اور اسلام کی خدمت کے پراخلاص نظریے اور ملت کی فلاں وبہبود کے جذبۂ صادق کے ساتھ اپنے بزرگوں کے اخلاص وایثار کی روایات کے مطابق کسی جماعت میں شریک ہوں گے تو ان کی شرکت یقیناً اچھے نتائج پیدا کرے گی اور اگر انھوں نے فضا سازگار نہ دیکھی تو وہ اس پارٹی سے ضرور باہر نکل آئیں گے۔

چناں چہ میاں صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد کے ارشاد کے مطابق مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلی اور نتیجہ ٹھیک ٹھیک وہی نکلا جس کی طرف مولانا نے اشارہ کیا تھا۔

میاں صاحب نے ایک مدت لیگ میں گزاری۔ پورے شوق اور سرگرمی کے ساتھ اس کی سیاست میں حصہ لیا۔لیکن جب اس کی فضا کو انھوں نے اپنے ذوق کے مطابق اور خدمت کے لیے سازگار نہ پایا تو پہلے تو ان کا جوش متاثر ہوا، پھر سرگرمیاں ٹھنڈی پڑیں اور پھر سیاست سے گوشہ نشین اور خلوت گزینی کی کیفیت طاری ہوئی۔مسلم لیگ کی سیاست کی حقیقت اگست ۱۹۴۷ء تک پہنچتے پہنچتے ہی واضح ہوگئی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد جو حالات پیش آئے اس نے نہ صرف لیگ کی سیاست سے بدگمان کیا بلکہ مایوس اور متنفر کردیا۔ مذہبی ذوق کی بنیاد پر

سیاست کی تعمیر انھیں پہلے ہی پسند نہ تھی۔ جمعیت علماے ہند، مجلس احرار اسلام (ہند) اور خدائی خدمت گار کی سیاست کا دور گزر چکا تھا۔ کانگرس کا نقش پاکستان سے مٹ گیا تھا۔ حالات کا تقاضا تھا کہ اہل ہمت میدان میں نکلیں اور نئے طرزِ سیاست کی بساط بچھائیں اور اس سے پہلے کہ حالات مزید بگڑیں اور قابو سے باہر ہوجائیں، وطن کی فکر کرنی چاہیے۔ مسلم لیگ کئی ٹکڑوں میں بٹ چکی تھی۔ اس سے نئے حالات میں رہنمائی کی توقع غلط تھی۔ نیشنل عوامی پارٹی کی تشکیل اور محمود علی قصوری کی اس میں شرکت کا کچھ یہی پس منظر تھا۔ اس دور کی سیاست میں انھوں نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ لیکن ان کی خدمات کا اب اصل میدان قانون اور وکالت تھی۔ پھر ان کا تعلق ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی سے ہوگیا تھا۔ ان کا شمار پارٹی کی تشکیل دینے والوں میں ہوتا تھا۔ لیکن انھیں پارٹی یا پارٹی کی سیاست سے زیادہ ملک اور عوام کی خدمت کا شوق تھا۔ وہ کابینہ میں وزیر قانون کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ انھوں نے قوم کی بیش از بیش خدمات انجام دیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وزیر بننا ان کے لیے کوئی قابل فخر بات نہ تھی۔ ان کا مقام اس سے بہت بلند تھا۔ البتہ یہ بات ضرور لائق تحریر ہے کہ انھوں نے بھٹو صاحب کی اس وقت مدد کی جب وہ ایک آمر کے غضب اور ذوق انتقام کا نشانہ بنے ہوئے تھے، ہر شخص ان کے قرب وصحبت سے دور بھاگ رہا تھا۔ لیکن بھٹو صاحب کی قسمت بھی کیا خوب تھی کہ ایک آمر کے ظلم سے نجات پائی اور دوسرے کے انتقام کی سولی پر چڑھ گئے۔

سیاست کے علاوہ بلکہ اس سے پہلے عوام کی خدمت کا میدان اور اُن کا ہتھیار قانون اور قانون کی سچائی تھا۔ اس ہتھیار کا استعمال میدان کارزار میں تلوار چلانے سے زیادہ کاری اور دانش مندی کا متقاضی ہوتا ہے۔ انھوں نے قانون کے ذریعے عوام کی، سیاسی کارکنوں کی، سیاسی جماعتوں اور ان کے رہنماؤں کی صلے اور ستائش سے بے پروا ہو کر اتنی خدمات انجام دیں کہ ان کی خدمات کو جمع کر دیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں ذوق خودنمائی سے محفوظ رکھا تھا۔ وہ سیاسی مقدمات کی کوئی فیس نہیں لیتے تھے۔ انھوں نے بیسیوں مقدمات کسی فیس کے بغیر لڑے اور مقدمہ جیت کر کامیابی کا تحفۂ مسرت موکل کی جھولی میں ڈال دیا۔

میاں محمود علی قصوری قانون اور سیاست دونوں میں درک رکھتے تھے اور صف اوّل کی شخصیت شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے ہر دو میدانوں میں شان دار کامیابی حاصل کی تھی اور نیک نامی کی زندگی گزاری تھی۔ ۱۳/اپریل ۱۹۸۷ء ان کی زندگی کا آخری دن تھا۔ ان کا انتقال لاہور میں ہوا تھا۔ تدفین قصور میں والد گرامی اور برادرِ معظم کے پہلو میں ہوئی۔

مولانا عبدالقادر قصوری کے خانوادۂ سعادت کے تمام ارکان سلف کے مسلک کے پیرو اور کتاب وسنت کے ذوق تمسک کے لذت شناس تھے۔ خاندان کا ہر فرد اپنے عقیدے میں راسخ، شریعت کا پابند اور تعصب وتقشّف سے دور ونفور نظر آیا۔ اکابر سے اصاغر تک سب تہذیب کے ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے، اخلاص وایثار کا پیکر، اللہ کی مخلوق سے محبت کرنے والے اور یگانہ وبے گانہ ہر کسی کی خدمت کے لیے ہر وقت وہمہ تن مستعدر ہنے والے تھے۔

استدراک:

خاندانِ سعادت قصور

دورِ آخر کے تین نامور

مولانا ابوالکلام آزاد نے مولانا عبدالقادر کے خاندان کو ''خاندانِ سعادت قصور'' کہا تھا، تو سچ ہی کہا تھا۔ ان کے اسلاف سے اخلاف تک کے جو حالات تاریخ علم وتہذیب اور سیاست کا حصہ بن چکے ہیں، وہ اس خاندان کی نیکی، دین داری، لیاقت اور خدمت قوم وملت کا تذکرہ ہی تو ہے۔ حضرت مولانا عبدالقادر قصوری کے والد گرامی، جد امجد، برادران عزیز ومحترم اور ان کی اولاد میں سب ہی نیک بخت وسعادت مند ہوئے۔ اس خاندان کے نوجوانوں اور موجودہ نسل کی شہرت بھی ان کے انھی خصائص وخصائل جمیلہ کے تذکار سے معمور ہے۔

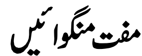
اس خاندان کے بزرگ تو بزرگ تھے ہی، ان کے خرد بھی اپنے بزرگوں کے نام روشن کرنے والے ہوئے۔ خصوصاً اس خانوادۂ علم وتہذیب کے آخری دور کے تین ناموروں نے تو پاکستان کی تاریخ میں نہ

صرف اپنا اور اپنے خاندان کا نام روشن کیا بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ پاکستان سیاسی اعتبار سے بانجھ نہیں ہو گیا۔ اس کے فرزندوں میں قابل، فرض شناس، پختہ سیرت، قابل ترین اور وطن کے سچے خدمت گزاروں کی کمی نہیں۔ ان کے وجود گرامی ملک اور قوم کے لیے موجب فخر اور نمونہ ثابت ہوئے۔ ان میں سے ایک مولانا عبدالقادر قصوری رحمہ اللہ کے چھوٹے بیٹے محمود علی قصوری، دوسرے ان کے پوتے معین الدین قریشی ابن محی الدین قصوری اور تیسرے ان کے پوتے خورشید محمود قصوری ابن میاں محمود قصوری اس دعوے کی مثال ہیں۔

محمود علی قصوری ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں سول نافرمانی کی تحریک سے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد شہرت پائی۔ ایوبی آمریت کے دور میں سرگرم ہوئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں عروج پایا۔ پھر پگڑی کو خطرہ لاحق ہوا تو راہ بدل دی۔ ۱۹۸۷ء میں انتقال ہوا۔ شرافت، دیانت، قابلیت میں نام پایا۔

خاندان کے دوسرے نامور معین الدین قریشی تاریخ پاکستان کے بڑے نازک دور میں فرشتہ بن کر نمودار ہوئے۔ پاکستان کو ایک بحران سے نکالا، حالات کو سدھارا۔ انھوں نے نہ صلے کی پروا کی نہ ستائش کے آرزو مند ہوئے۔ اچانک آئے تھے، خاموشی سے چلے گئے۔ پاکستان سے محبت، خدمت میں اخلاص اور قابلیت کا نقش قوم کے دل پر یادگار چھوڑ گئے۔

جنرل پرویز مشرف کے ہمرہیانِ سیاست میں خورشید محمود قصوری واحد شخصیت تھے جو سرخ رو نکلے۔ ان کی قابلیت، ان کا اخلاص اور دیانت شک وشبہ سے پاک ہیں۔ مشرف حکومت کے خاتمے کے بعد اگر اس کا کوئی رکن سر اٹھا کے بات کر سکتا ہے تو وہ خورشید محمود قصوری کی ذات ہے۔



مفت منگوائیں

اللہ کریم ہمیں ہر بیماری سے محفوظ فرمائے۔ جادو کی بیماری عام ہو چکی ہے تقریباً ہر بندہ شاکی ہے کہ گھر میں جادو ہو گیا ہے۔ لوگ ادھر اُدھر جا کر ذلیل ہوتے ہیں۔ آپ مسنون علاج سمجھنے کے لیے ہمارا بہترین اشتہار جادو اور اس کا علاج قرآن وحدیث سے مزین اور خوبصورت چار رنگوں والا آج ہی ۱۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ لفافے میں ڈال کر منگوائیں اور فریم کروا کر مساجد اور گھروں میں لگوائیں۔

پتا: قاری عبدالوہاب ربانی، ناظم مدرسہ فاطمۃ الزہراء، رمضان کالونی، پوسٹ بکس 54، جوہر آباد خوشاب۔ 0333-6813820

ضرورتِ رشتہ

ہمارے ایک دوست جو کہ حافظ قرآن ہیں اور برسر روزگار ہیں، صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں، مسلک اہل حدیث سے تعلق رکھتے ہیں۔ عمر ۲۴ سال ہے۔ ان کے لیے بھٹی خاندان سے رشتہ درکار ہے۔

رابطہ کے لیے

فون نمبر: 0345-7114745

حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی رحمہ اللہ

حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی

دین اسلام کی تعلیمات کو فروغ دینے کے لیے دعوت وتبلیغ کا کام جس قدر ضروری تھا آج امت مسلمہ اس قدر ہی اسے آگے پھیلانے میں سستی سے کام لے رہی ہے۔انبیائے کرام علیہم السلام کے دعوتی مشن کو فروغ دینے کے لیے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے خوش نصیب بندے پیدا ہوئے جنہوں نے معاشرے کی اصلاح، شرک وکفر کے رد، ظلم و نا انصافی، قتل و غارت گری، فحاشی وعریانی کے خاتمے اور تعلق باللہ میں مضبوطی کے لیے قرآن وحدیث کی تعلیمات کو فروغ دینے میں اپنی پوری زندگی وقف کردی، ایسے خوش نصیب حضرات میں ہمارے ممدوح حضرت حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدیؒ کا شمار بھی ہوتا ہے۔آپ نے اپنی زندگی کو دین اسلام اور امت مسلمہ کی اصلاح وتربیت کیلئے وقف کر رکھا تھا۔آپ کی شخصیت غیر متنازع اور ہر طبقے اور ہر فرد کے لیے قابل احترام تھی۔آپ کی آواز میں اللہ تعالیٰ نے حلاوت اور گفتگو میں متانت رکھی تھی خصوصاً قرآن مجید کی تلاوت جب اپنے مخصوص انداز میں فرماتے تو دلوں میں نرمی پیدا ہوجاتی تھی۔آپ کی شخصیت نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کی آئینہ دار تھی۔

(۱)......خاندانی پس منظر: آپ کا تعلق راجپوت برادری سے تھا۔ جو ضلع قصور کے گاؤں میر محمد میں آباد ہے۔ دیانت داری، تقویٰ، اطاعت رسول ﷺ، شرم وحیاء، خیر خواہی، قرآن وحدیث کی تدریس جیسی خوبیوں سے اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو نواز رکھا ہے۔آپ کے والد گرامی حافظ محمد عظیم انتہائی متقی اور پرہیزگار شخصیت تھے ایام طفولیت سے ان کا رجحان عجز وانکساری اور تقویٰ وصالحیت کی طرف ہوگیا تھا جو آخر زندگی تک رہا۔حافظ صاحب میر محمدی مرحوم نے تحفیظ القرآن کے بعد دینی علوم کا فیض مدرسہ محمدیہ لکھو کے اور مدرسہ غزنویہ امرتسر سے پایا۔ اپنے علمی تزکیہ نفس کی خاطر زیادہ عرصہ سید محبوب علی شاہ لکھوی اور مولانا صوفی کمال الدین ڈوگر کی خدمت میں رہے۔عام شخص سفر اور کاروبار بند کرلیتا ہے مگر دین کی تبلیغ کے سلسلہ میں یہ کام ہم گوارا نہیں کرتے۔ حالانکہ دعوت وتبلیغ وہ عظیم مشن ہے جس کے لیے اللہ کریم نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔اس دعوتی سلسلہ کو فروغ دینا ہر کلمہ گو کا حق ہے۔

(۲)......فضول خرچی سے اجتناب: سخت گرمی کے موسم میں ہمارے ضلعی امیر مولانا محمد شفیع چھانگا مانگا اپنے دیگر رفقاء کے ہمراہ آپ کے ہاں گئے تو آپ کمرے میں پنکھا بند کر کے ذکر الٰہی میں مصروف تھے مہمانوں نے پوچھا کیا بجلی نہیں ہے فرمانے لگے بجلی ہے اگر آپ کو ضرورت ہے تو چلا لیں مولانا صاحب کہتے ہیں ہم نے پنکھا چلالیا آپ سے ہم نے پوچھا کیا آپ نے سخت گرمی کے موسم میں بھی پنکھا نہیں چلایا فرمانے لگے میں نے سوچا کہ مرکز البدر کا کچھ فائدہ ہوجائے۔میرا پنکھا نہ چلنے سے کچھ تو بجلی کا بل کم ضرور آئے گا۔

(۳)......سخاوت: ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے صدقہ خیرات کرتے رہتے تھے۔بیماری کے دوران کا ایک واقعہ ہے کہ کوئی ضرورت مند خاتون آپ کے پاس حاضر ہوئی اُس نے کچھ تعاون کی درخواست کی آپ نے اپنے پاس پڑی رقم اس سائلہ کو دے دی، آپ کے پاس کھڑا آپ کا پوتا کہنے لگا۔ابا جان آپ نے ان کو کتنی رقم دینی تھی آپ خاموش رہے، اُس نے پھر کہا! آپ پھر خاموش رہے، بچے نے جب تیسری بار کہا! کہ ابا جان آپ نے جو رقم دی ہے وہ تو بہت زیادہ ہے۔آپ اُسے تھوڑی رقم دے دیتے سائل تو آتے رہتے ہیں جواب میں فرمانے لگے بیٹا تجھے علم نہیں کہ اس بیچاری کا اس رقم سے مہینے کا خرچہ بھی پورا ہوگا یا نہیں؟ وہ رقم ۵ ہزار روپے تھی۔

(۴)......تہجد کی پابندی: مرکزی جمعیت اہلحدیث ضلع قصور کے زیر اہتمام ۱۵ نومبر ۲۰۰۸ء کو جناح ہال پتوکی میں حضرت حافظ جی کی دینی، جماعتی خدمات جلیلہ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے تعزیتی

ریفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس موقعہ پر آپ کے بیٹے حافظ محمد اسماعیل نے یہ واقعہ سنایا کہ میرے والد محترم کی عمر تقریباً آٹھ، دس سال ہوگی جب آپ کے دادا جان نے نماز تہجد پڑھنے کی ترغیب دی تھی۔

(۵) ...... وعدے کی پابندی: وعدے کی پابندی مومن کے اوصاف میں شامل ہے۔ مگر وعدے کی پابندی کا فقدان ہمارے معاشرے میں اس قدر عام ہو چکا ہے کہ پڑھے لکھے لوگ اور دین دار طبقہ بھی اس میں شمار ہونے لگا جو وعدے کی پاس داری نہیں کرتے۔ مگر حافظ جی نے جس جگہ پہنچنے کا وعدہ کیا یا آپ سے لوگ جو وعدے لیکر جاتے وہ خود بھول جاتے مگر آپ حسب وعدہ دعوت وتبلیغ کے لیے پہنچ جاتے۔ ان کی ڈائری میں شاید ہی کوئی تاریخ خالی ملتی یہ صورت سال بھر اور ان کی زندگی بھر میں رہی ہے۔

(۷)...... شادی خانہ آبادی کے معاملے میں رہنمائی: ہمارے معاشرے میں مناسب رشتوں کا نہ ملنا آج والدین کے لیے ایک مسئلہ بن چکا ہے والدین کی اس مسئلے میں آسانی کے لیے آپ لڑکا یا لڑکی والوں کو اس سلسلے میں معلومات فراہم کردیتے۔ ان سے کبھی کچھ مطالبہ نہیں کیا، اور اس میں شمولیت سے بھی گریز کرتے تھے تاکہ کل کو مجھے کوئی فریق کسی قسم کا اعتراض نہ دے سکے۔ یہ معاملہ بھی اس لیے طے کرواتے تاکہ کوئی اہل توحید کی بیٹی کسی بدعقیدہ کے گھر جا کر اپنا دینی وایمانی نقصان نہ کر بیٹھے۔

(۷)...... مرکز البدر میں ماہانہ جمعہ: پورا رمضان المبارک آپ مرکز ادارۃ الاصلاح بونگا بلوچاں میں قیام کرتے اور تمام خطبات جمعۃ المبارک خود ارشاد فرماتے جبکہ باقی گیارہ مہینوں میں صرف ہر چاند کا دوسرا خطبہ ارشاد فرماتے باقی خطبات جمعہ مختلف مقامات پر ہوتے جن کا لوگوں نے چھ ماہ قبل وعدہ لیا ہوتا تھا۔ اور ادھر مرکز ادارۃ اصلاح میں مختلف علمائے کرام کو پابند کر رکھا تھا جو ہر ماہ ایک خطبہ آپ کے حسب حکم دیتے۔ جن میں راقم الحروف کے والد گرامی شیخ الحدیث مولانا محمد عطاء اللہ حنیف ڈاھروی حفظہ اللہ بھی شامل ہیں۔ آپ نے بھی ایک عرصہ تک یہ فریضہ سرانجام دیا ہے۔

(۸)...... صفائی اور سادگی میں نمونہ: آپ کا لباس ہمیشہ صاف ستھرا ہوتا اور مرکز ادارۃ اصلاح میں ہر جگہ کی صفائی کا خیال رکھتے، کئی دفعہ لوگوں نے دیکھا کہ مرکز کے باتھ روم رات کے وقت خود صاف کرتے تھے۔ ان کی ساری زندگی سادگی قناعت، شرافت، مروت، وضع داری میں گزری انہیں دیکھنے سے اہل اللہ اور علمائے سلف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ آپ نے ہمیشہ لوگوں کو نیکی اور تقویٰ کی تلقین کی۔

(۹)...... تلامذہ: آپ کے تلامذہ حافظ محمد عبداللہ شیخوپوریؒ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیمؒ، مولانا قاری عبدالرحیم (بونگا بلوچاں)، قاری محمد یحیٰ (مدرس جامعہ اسلامیہ گوجراں والا)، قاری محمد یوسف میر محمدی اور استاذ القراء قاری محمد صدیق الحسنؒ حبیب آبادی وغیرہ کے علاوہ بے شمار افراد شامل ہیں۔

(۱۰)...... طب سے دلچسپی: ہمارے اکثر مدارس میں پہلے طب کی بھی کچھ نہ کچھ کتابیں طلبا کو پڑھائی جاتی تھیں یا پھر بعض اساتذہ کرام جن کو طب سے دلچسپی تھی وہ اپنے تلامذہ کی اس سلسلے میں رہنمائی کرتے تھے۔ دوران تعلیم آپ کی بھی بعض شیوخ نے رہنمائی کی۔ اگرچہ آپ نے حکمت باقاعدہ نہیں کی تاہم کوئی پوچھتا تو بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ نسخہ بتادیا کرتے تھے۔

(۱۱)...... بیرون ملک سفر: سعودی عرب میں بسلسلہ حج تین بار اور برطانیہ، متحدہ عرب امارات، دبئی اور کویت میں دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں کئی دفعہ جانے کا اتفاق ہوا ہے۔

(۱۲)...... آپ کی اولاد: آپ کی اولاد نرینہ میں اکلوتا بیٹا حافظ محمد اسمٰعیل میر محمدی اور دو بیٹیاں شامل ہیں جبکہ بیٹے کے ہاں بیٹا محمد عظیم اور پانچ بیٹیاں ہیں۔

(۱۳)...... وفات اور نماز جنازہ: آپ شوگر و دیگر امراض میں طویل عرصہ صاحب فراش رہے علاج معالجہ سے صحت میں کچھ بہتری آتی کبھی نہیں، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ یکم نومبر ۲۰۰۸ء کو بعد نماز عشاء آخری گھڑی آپہنچی جس کے آگے ہر شاہ وگدا کو سر تسلیم خم کرنا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے روز صبح ۱۱ بجے مرکز البدر بونگہ بلوچاں میں آپ کی نماز جنازہ مولانا عتیق اللہ سلفی حفظہ اللہ نے کروائی۔



علی ارشد اور ان کا کتب خانہ

محمد اسحاق بھٹی

۱۹۷۳ء کے غالباً اکتوبر کا مہینا تھا کہ ایک دن ایک نوجوان میرے اس وقت کے دفتر ادارہ ثقافت اسلامیہ آئے۔ سلام دعا ہوئی اور میں نے ان کو سامنے کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ گورے رنگ میں سرخی کی آمیزش نمایاں۔ بھرا ہوا گول چہرہ، جاذبِ توجہ نقش ونگار۔ پورا قد اور آنکھوں پر نظر کی عینک۔ ننگا سر، شلوار قمیص میں ملبوس۔ بیس اکیس برس کی بھرپور جوانی کا خوب صورت پیکر۔ خیر وعافیت کے مختصر الفاظ کے بعد انھوں نے میری کسی کتاب کی کتابت کے بارے میں بات کی۔ میں بات سن کر سمجھا کاتب ہیں اور اسی سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔ چناں چہ پوچھا:

آپ کتابت کرتے ہیں؟

جواب دیا: میں کتابت نہیں کرتا، یوں ہی بات کی ہے۔

پوچھا: کہاں سے آئے اور کیا مشاغل ہیں؟

نرم لہجے اور آہستہ کلامی سے جواب دیا: لائل پور کا رہنے والا ہوں اور وہیں سے آیا ہوں۔ کتابیں خریدنے اور پڑھنے کا شوق ہے اور یہی میرا شغل ہے، اور یہی شغل مجھے یہاں کھینچ لایا ہے۔

اس وقت لائل پور کو اسلام کا برقع اوڑھا کر فیصل آباد نہیں بنایا گیا تھا۔ ان کی زبان سے لائل پور کا لفظ سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ میرے ہم علاقہ ہیں۔ عرض کیا میں بھی لائل پوری ہوں اور جڑاں والا کے قریب ایک گاؤں سے تعلق رکھتا ہوں۔

اس کے بعد انھوں نے چند کتابیں خریدیں جو میں نے متعلقہ آدمی سے کہہ کر آدھی قیمت پر دلائیں۔ انھوں نے شکریہ ادا کیا اور چلے گئے۔

یہ نوجوان تھے علی ارشد، جن سے اس اوّلیں ملاقات کے بعد دوستی کا گہرا رشتہ قائم ہوگیا۔ اب نہ ان کا گھر میرے لیے بیگانہ تھا اور نہ میرا مسکن ان کے لیے اجنبی۔ نہ ایک دوسرے سے کوئی تکلف رہا تھا، نہ روٹی کا کوئی تصور......!

نہایت افسوس ہے آج میں ان صفحات میں اس مخلص ترین دوست کی صفِ ماتم بچھا رہا ہوں۔ جس کا ذہن ودماغ کے کسی گوشے میں کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا۔ میں اپنے قارئین کو بھی اس افسوس میں شامل کررہا ہوں، جن میں سے بیشتر نے کبھی علی ارشد کا نام بھی نہیں سنا ہوگا۔ دنیا میں انسان بہت سے حالات سے گزرتا ہے، غم ناک حالات سے بھی اور مسرت سے لبریز حالات سے بھی۔ آج علی ارشد کی موت کی وجہ سے ہمیں غم ناک حالات کا سامنا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ میرا انھیں مرحوم لکھنے کو جی چاہتا ہے اور نہ زبان یہ کہنے پر آمادہ ہے کہ وہ وفات پاگئے ہیں۔ لیکن حالات کا جبر اور تقدیر کا موڑ سب کچھ کہلوا اور لکھوا رہا ہے۔

علی ارشد کے آبا واجداد دراصل ضلع انبالہ کے ایک گاؤں ''دھنولا'' کے رہنے والے تھے اور ارائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ تقریباً ایک سو سال قبل آبادکار کی حیثیت سے لائل پور کے قریب ایک گاؤں چک نمبر ۱۱۷ میں سکونت پذیر ہوئے انھی کی وجہ سے اس گاؤں کو بھی دھنولا کہا جانے لگا۔ اور محکمہ مال کے کاغذات میں اس کا نام چک نمبر ۱۱۷ دھنولا لکھا گیا۔ اپنے اصل آبائی وطن میں یہ لوگ اچھی خاصی زمین جائداد کے مالک تھے لائل پور آکر اس میں مزید اضافہ ہوا۔ تقسیم ملک سے قبل ضلع انبالا صوبہ پنجاب میں شامل تھا۔ لیکن تقسیم ملک کے بعد ہندوستان کی حکومت نے اپنی انتظامی اور سیاسی مصلحتوں کی بنا پر مشرقی پنجاب کے تین صوبے بنا دیے۔ ایک صوبہ تو پنجاب ہی رہا۔ دوسرے دو صوبے ہریانہ اور ہماچل پردیش کے ناموں سے موسوم ہوئے۔ ضلع انبالا کو پنجاب سے نکال کر ہماچل پردیش میں شامل کردیا گیا۔

یہاں یہ بھی عرض کردیں کہ مشرقی پنجاب میں ''دھنولا'' نام کے دو گاؤں تھے، ایک یہی ضلع انبالا میں، دوسرا ریاست پٹیالہ کے ضلع ہرنالا میں، جسے ریاست دھنولا بھی کہا جاتا تھا۔ یعنی اس کا شمار پنجاب کی

ریاستوں میں ہوتا تھا۔

ہمارے عزیز ترین دوست علی ارشد ۲۹ جون ۱۹۵۴ء کو چک نمبر ۱۱۷ دھنولا میں پیدا ہوئے۔ سکول اور کالج میں ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی عمر میں ہی مختلف موضوعات کی کتابیں پڑھنے، خریدنے اور جمع کرنے کا شوق تھا جو زندگی کے آخری دم تک قائم رہا۔ ایک مرتبہ انھوں نے بتایا کہ کسی ذریعے سے انھیں پتا چلا کہ جھنگ شہر کے فلاں شخص کے پاس کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے اور وہ اسے بیچنا چاہتا ہے۔ یہ وہاں پہنچ گئے۔ اس سے ملے لیکن عمر چوں کہ چھوٹی تھی، اس لیے اسے یقین نہیں آیا کہ یہ لڑکا کتابوں سے دلچسپی رکھتا اور خریدنے کا خواہاں ہے۔ بہرحال انھوں نے کتابیں دیکھیں اور اپنی پسند کی کتابیں علیحدہ کرلیں۔ قیمت پوچھی تو ان کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے جو اس نے مانگے۔ جتنے تھے اتنے کی کتابیں خریدیں اور اس سے کہا کہ جو کتابیں میں نے منتخب کی ہیں، وہ علیحدہ پڑی رہیں، میں دوبارہ آؤں گا۔ گھر آئے، کتابیں رکھیں اور پیسے لے کر پھر جھنگ پہنچ گئے۔ اپنی منتخب کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی خرید لیں۔ وہ شخص نہایت متاثر ہوا اور کہا جتنی جی چاہے کتابیں لے جاؤ، پیسے بعد میں دے دینا۔ بقول ان کے یہ پہلا موقع تھا کہ انھوں نے اپنے شہر سے باہر کے کسی شخص سے کتابیں خریدیں۔ اس کے بعد تو وہ بے شمار مرتبہ بے شمار مقامات میں گئے اور کتابیں خریدیں۔

کتابوں کے سرکاری اداروں سے بھی ان کے مراسم تھے اور وہ ان سے کتابیں خریدتے تھے۔ اس سلسلے میں تین چار مرتبہ دہلی بھی گئے اور وہاں سے بوریاں بھر کر کتابیں لائے۔ ایک یا دو مرتبہ بمبئی بھی گئے۔ دہلی جاتے اور آتے وقت وہ رات میرے پاس (لاہور) رہتے تھے۔ ایک دفعہ بتایا کہ وہ بمبئی کے بھنڈی بازار میں ایک دکان پر کتابیں دیکھ رہے تھے کہ وہاں میری کتاب ''فقہائے ہند'' کی پہلی جلد سے لے کر پانچ جلدیں پڑی تھیں جو وہیں کی چھپی ہوئی تھیں۔ انھوں نے دکان دار سے کہا یہ تو پاکستانی مصنف کی کتاب ہے اور وہیں کی چھپی ہوئی ہے، آپ نے بلا اجازت چھاپ لی ہے۔ دکان دار نے جو ناشر بھی تھا، جواب دیا کہ پاکستانی ناشر بھی تو ہندوستان کی مطبوعہ کتابیں بلا اجازت چھاپ رہے ہیں۔ ہم نے چھاپ لی ہے تو کیا ہوا۔

جب میرا ان سے تعارف ہوا، اس وقت وہ فیصل آباد کے علاقے نیو سول لائن میں رہتے تھے۔ اس زمانے میں دو تین مرتبہ میں ان کے گھر گیا اور کتابیں دیکھیں۔ ان کے پچھواڑے کی گلی میں شاہد حسن کا مکان تھا۔ ان سے بھی اسی زمانے میں تعارف ہوا۔ انھیں بھی کتابیں پڑھنے اور خریدنے کا شوق ہے۔ علی ارشد سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ ایک مرتبہ میں مولانا ارشادالحق اثری کو بھی شاہد حسن کے مکان پر لے گیا تھا۔ میرے بچپن کے ایک دوست حاجی محمد رفیق زبیدی تھے۔ وہ بھی کتابوں کے رسیا تھے۔ ایک دفعہ میرے ساتھ وہ بھی علی ارشد صاحب کے مکان پر نیو سول لائن گئے تھے اور ان کا کتب خانہ دیکھ کر خوش ہوئے تھے۔

فیصل آباد کے ایک مقام چوک سلطان باہو میں بھی علی ارشد نے مکان خریدا تھا۔ اس مکان میں وہ تھوڑا عرصہ ہی رہے۔ وہاں بھی ایک مرتبہ میں ان سے ملاقات کے لیے گیا۔ پھر انھوں نے اقصیٰ ٹاؤن میں مکان خریدلیا۔ پہلا مکان کرائے پر دے کر نئے مکان میں منتقل ہوگئے۔ یہ کافی کھلا مکان ہے اور اس کا تہہ خانہ بھی ہے، جسے انھوں نے کتب خانہ بنالیا۔

میں اس مکان میں بہت دفعہ گیا اور بہت دفعہ وہاں قیام کیا۔ میرے آنے پر وہ بعض دوستوں کو بھی دعوت دے دیتے تھے اور عام طور سے رات گئے تک مجلس جمتی اور مختلف موضوعات زیر بحث آتے۔

علی ارشد کھلے دل اور کھلے ہاتھ کے آدمی تھے۔ بے حد مہمان نواز۔ مہمان کو دیکھ کر خوش ہوتے اور اس کی خدمت کرتے۔ وہ ہر شخص کے دوست اور ہر شخص سے مخلصانہ تعلق رکھتے تھے۔ کتابوں کے شائقین اور پڑھے لکھے لوگوں سے بالخصوص ان کے میل جول کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور ان کا موضوع گفتگو بالعموم یا کوئی کتاب ہوتی تھی یا اس کا مصنف یا کسی قسم کے تاریخی اور علمی واقعات۔ لیکن بندہ وہ کسی معاملے میں بھی نہ تھے۔ لطائف وظرائف کا سلسلہ بھی چلتا تھا اور وہ اس میں پورا حصہ لیتے تھے۔

ان کا کتب خانہ مختلف موضوعات کی (ان کے بقول) چودہ پندرہ ہزار کتابوں پر مشتمل ہے، جس میں بعض نایاب کتابیں بھی ہیں۔ ڈیڑھ سال قبل ہمارے مشترکہ دوست محمد رمضان سلفی صاحب کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنا کتب خانہ فروخت کرنا چاہتے ہیں اور فیصل آباد والا مکان بیچ کر ان کا ارادہ گاؤں منتقل ہوجانے کا ہے۔ وہاں انھوں نے

مکان کی تعمیر بھی شروع کرادی ہے۔ میں نے سلفی صاحب سے کہا کہ میری طرف سے انھیں پیغام پہنچائے کہ وہ گاؤں جائیں یا نہ جائیں۔ یہ ان کی مرضی کا معاملہ ہے، لیکن کتب خانہ فروخت نہ کریں۔ پڑھے لکھے حلقے اور مطالعہ کے شائقین میں ان کے تعارف اور قدر و احترام کا اصل باعث ان کا کتب خانہ ہے۔ اگر اسے فروخت کردیا گیا تو وہ صرف علی ارشد رہ جائیں گے، قدر و احترام کا دائرہ سمٹ جائے گا۔ اس کے بعد مجھے محمد رمضان یوسف سلفی صاحب نے بتایا کہ انھوں نے کتب خانے کی فروخت کا پروگرام ختم کردیا ہے اور بعض دوستوں سے کہا ہے کہ اسحاق بھٹی نے مجھے کتب خانہ فروخت کرنے سے روک دیا ہے، میں اب اسے فروخت نہیں کروں گا۔

میرے ساتھ ان کے تعلقات بے حد قرب کے تھے۔ میرے بارے میں پہلا مضمون انہی نے لکھا۔ مجھے اس مضمون کا بالکل علم نہ تھا، نہ انھوں نے کبھی اس کا ذکر کیا اور نہ کبھی مجھ سے معلومات لیں۔ جون ۱۹۹۵ء کا ماہنامہ ''تعلیم الاسلام'' (جو ماموں کانجن ضلع فیصل آباد سے مرحوم قاضی محمد اسلم سیف (مرحوم) کی ادارت میں شائع ہوتا تھا) بذریعہ ڈاک آیا تو اس میں میرے متعلق پندرہ صفحات کا مضمون شامل تھا۔ یہ مضمون علی ارشد صاحب نے میری کتابوں کی مدد سے لکھا تھا اور ''تعلیم الاسلام'' کے مدیر محمد اسلم سیف کے طویل نوٹ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ افسوس ہے، دونوں اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے کبھی ہم بھی وہیں چلے جائیں گے جہاں وہ گئے ہیں۔

علی ارشد کا مطالعہ خاصا وسیع تھا اور وہ تحقیق سے لکھتے تھے، لیکن انھوں نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں کی، بس کتابیں خریدنے اور ان کے مطالعہ کو اصل مشغلہ قرار دے لیا اور یہ ان کا بہت اچھا مشغلہ تھا۔ تاہم میرے کہنے سے انھوں نے چند مضمون لکھے اور ان میں قارئین کو بہت معلومات دیں۔ ایک فیصل آباد کے میر حکیم نورالدین کے بارے میں اور ایک مولانا عبدالواحد کے بارے میں۔ یہ دونوں قدیم دور کے لائل پور کی بہت بڑی شخصیتیں تھیں اور دونوں اہل حدیث تھے، اور اپنے دور کے حالات کے مطابق دونوں کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ لیکن نئے دور کے لوگ ان سے زیادہ متعارف نہ تھے۔

جامعہ سلفیہ فیصل آباد کا سنگ بنیاد تین حضرات نے رکھا تھا، میر حکیم نورالدین نے، صوفی عبداللہ نے اور میاں محمد باقر نے حکیم صاحب نے ۱۱۔ جون ۱۹۶۰ء کو وفات پائی۔ اور ان پر علی ارشد کا مضمون یکم جنوری ۱۹۸۸ء کو ہفت روزہ ''اہل حدیث'' (لاہور) میں چھپا۔ میں اس زمانے میں اس اخبار کا اداریہ لکھتا تھا۔

میر حکیم نورالدین لائل پوری پر میں نے بھی مضمون لکھا تھا جو میری ایک کتاب ''کاروانِ سلف'' میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں علی ارشد کے مضمون کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار، فیصل آباد (اور مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار لاہور) نے شائع کی ہے۔

مولانا عبدالواحد پر علی ارشد کا مضمون مولانا ممدوح کی زندگی میں جنوری ۱۹۹۳ء کے ماہنامہ ''تعلیم الاسلام'' (ماموں کانجن) میں چھپا۔ مولانا ممدوح اپنے متعلق مضمون پڑھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ اس کا اظہار انھوں نے ایک خط میں کیا جو میرے نام لکھا۔ مولانا نے ۱۸۔ جون ۱۹۹۷ء کو فیصل آباد میں وفات پائی۔

مولانا ابوالکلام آزاد سے بے حد عقیدت مندانہ تعلق رکھنے اور ان کی بعض مجلسوں میں شریک ہونے والے ایک اہل علم ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی تھے۔ علی ارشد نے ان کے متعلق بھی مضمون لکھا، جس میں ان کے ذاتی حالات اور علمی کوائف کی وضاحت کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ ان کے پرخلوص تعلقات کی صراحت کی۔

اب علی ارشد کی ایک اور تحریر کے متعلق سنیے!

ہندوستان کے مولانا عبدالماجد دریابادی مشہور دیوبندی عالم دین تھے۔ وہ مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید اور ان کے حلقۂ بیعت میں شامل تھے۔ قرآنِ مجید کی انھوں نے دو تفسیریں لکھیں۔ ایک اردو میں ایک انگریزی میں۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کا ہفت روزہ اخبار ''صدق جدید'' تھا جو لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا۔ وہ مرزائیوں کا کافر نہیں سمجھتے تھے، انھیں مسلمان قرار دیتے تھے۔ کئی سال ہوئے ماہنامہ ''الحق'' (اکوڑہ خٹک) کے صفحات میں اس موضوع پر بحث شروع ہوگئی۔ کسی نے لکھا وہ مرزائیوں کو کافر قرار دیتے تھے، کسی نے لکھا نہیں قرار دیتے تھے۔ ہمارے مرحوم محقق دوست طالب ہاشمی نے خود مولانا عبدالماجد دریابادی

اور بعض دیگر حضرات کی تحریروں سے ثابت کیا کہ وہ مرزائیوں کو کافر نہیں بلکہ مسلمان قرار دیتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ طالب ہاشمی اور ان کے ہم نوا اس میں حق بجانب تھے، مولانا ممدوح مرزائیوں کو کافر نہیں قرار دیتے تھے۔ اس بحث میں علی ارشد نے بھی حصہ لیا۔ میں نے ''الحق'' کے ایک شمارے میں ان کے یہ دلچسپ الفاظ پڑھے کہ جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ مولانا عبدالماجد دریابادی مرزائیوں کو کافر نہیں بلکہ مسلمان سمجھتے تھے، ''میں بھی ان کا ہاتھ بٹانا چاہتا ہوں۔'' چناں چہ انھوں نے ان کا ہاتھ ''بٹانا'' اور ''صدق جدید'' کے پرانے شماروں سے جو ان کے کتب خانے میں محفوظ تھے، ثابت کیا کہ مولانا عبدالماجد دریابادی مرزائیوں کو کافر کہنے سے انکار کرتے تھے، ان کا اصرار تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ یہ دلچسپ بحث کچھ عرصہ جاری رہی۔ پھر بعض دیوبندی حضرات کے کہنے سے بند کر دی گئی تھی۔ کیوں کہ اس سے مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید دیوبندی عالم کے متعلق لوگوں پر برے اثرات مرتب ہوتے تھے۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ علی ارشد کا اصل مشغلہ مطالعۂ کتب تھا، وہ لکھتے بہت کم تھے۔ لیکن جو لکھتے تھے، تحقیق سے لکھتے تھے۔ عام لکھنے والوں کی مدد کرتے تھے اور انھیں بتاتے تھے کہ فلاں چیز فلاں کتاب میں ملے گی وہ کتاب کے مصنف کا نام بھی بتاتے تھے اور کتاب کے مقامِ اشاعت کا بھی پتا دیتے تھے۔

اب ان کی بیماری کے بارے میں سنیے!

کئی سال پہلے انھیں شوگر کا عارضہ لاحق ہوا، لیکن انھوں نے اس عارضے کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ میل جول اور مطالعہ وغیرہ کا سلسلہ بہ دستور جاری رکھا۔ پھر کچھ عرصہ قبل ان پر دل کا حملہ ہوا۔ چند روز ہسپتال میں رہے، کچھ افاقہ ہوا تو پھر وہی سرگرمیاں عود کر آئیں۔ پرہیز کے بجائے دوستوں کے ہاں آنا جانا ان کے نزدیک زیادہ اہم تھا۔ اگرچہ دوا دارو کا استعمال بھی ساتھ ساتھ چلتا تھا، لیکن اصل اہمیت میل ملاقات کو حاصل رہی۔

۱۱۔ جنوری ۲۰۰۹ء کو مکتبہ سلفیہ (لاہور) کی طرف سے حافظ احمد شاکر اور ان کے صاحب زادگان (شاکر برادران) نے لاہور کے ہمدرد سینٹر میں میرے متعلق ایک تقریب کا اہتمام کیا۔ علی ارشد اس تقریب میں شمولیت کے لیے مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا مجاہد الحسینی اور پروفیسر حبیب الرحمٰن کے ساتھ اپنی گاڑی میں لاہور آئے۔ پروگرام سے بہت خوش ہوئے۔ مجھے بھی انھیں دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ اس کے بعد ۹۔ فروری کو میں فیصل آباد گیا۔ رات کے کھانے کا انتظام میاں طاہر صاحب نے اپنے مکان پر کیا تھا، جس میں دس گیارہ حضرات کو دعوتِ شرکت دی گئی تھی۔ شب کے ڈیڑھ بجے تک یہ محفل جاری رہی۔ دوسرے دن ۱۰۔ فروری کو دس بجے جامعہ سلفیہ کے اساتذہ وطلبا کے اجتماع میں چودھری محمد یاسین ظفر اور حافظ مسعود عالم صاحب نے مجھے کچھ گزارشات پیش کرنے کا حکم دیا۔ اس سے فارغ ہو کر میں رمضان سلفی کے پاس مکتبہ رحمانیہ (امین پور بازار) گیا تو وہاں جو دوست تشریف لائے وہ تھے غازی منصور محمود، علامہ جہاں گیر، مولانا سعید احمد چنیوٹی اور مولانا حکیم رانا مدثر محمد خاں سمندری۔ علی ارشد بھی موجود تھے۔ وہاں تقریباً نو بجے رات تک سلسلۂ گفتگو چلتا رہا۔ وہیں انھوں نے ہمیں گرم گرم پکوڑے کھلائے۔ پکوڑوں کے علاوہ دو چار اور چیزیں وہ خود لے کر آئے۔ بہت خوش اور ہشاش بشاش تھے۔ یہ ان سے آخری ملاقات تھی اور وہم وگمان میں نہ تھا کہ آج کے بعد ان سے میل ملاقات کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا۔ انھوں نے بار بار کہا کہ میں رات ان کے پاس رہوں لیکن مجھے جھنگ روڈ پر شاداب کالونی اپنے عزیزوں کے ہاں جانا اور رات وہیں رہنا تھا۔ چناں چہ دس بجے کے بعد میں فرقان صاحب کے ساتھ اپنی قیام گاہ پر پہنچا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا جی علی ارشد کے ہاں رات رہنا چاہتا تھا، لیکن میں مجبور تھا اور ان کے ہاں رہنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

۱۱۔ فروی کو لاہور آ گیا۔ یہاں آ کر رات کے نو بجے کے قریب میرا ان سے بات کرنے کو جی چاہا۔ ان کا نمبر ۸۷۸۶۳۴۴ تھا۔ اس نمبر پر ٹیلی فون کیا تو گھنٹی ہو رہی تھی، لیکن کسی نے رسیور نہیں اٹھایا۔ تھوڑی دیر بعد پھر کیا تو پھر وہی معاملہ تھا۔ دوسرے دن کیا تو اب بھی خالی گھنٹی کی آواز آ رہی تھی، لیکن رسیور کوئی نہیں اٹھا رہا تھا۔ اس کے بعد فیصل آباد میں رمضان سلفی کو ٹیلی فون کیا اور علی ارشد کے نمبر کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ نمبر وہی ہے جس پر آپ نے رابطہ کرنے کی کوشش کی، لیکن انھوں نے یہ نمبر کٹوا دیا ہے۔ اب ان سے موبائل پر ملیے۔ موبائل کا

نمبر انھوں نے بتایا تو اس پر ملاقات ہوگئی۔ میں نے ان سے کہا موبائل بے شک رکھیے، لیکن گھر کا پہلا نمبر کٹوانا نہیں چاہیے۔ یہ ۱۲۔فروری کی بات ہے۔اس کے بعد ان سے بات نہیں ہوسکی۔

۱۷۔فروری کو دن کے گیارہ بجے کے چند منٹ بعد میرے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ رسیور اٹھایا تو آواز آئی: ''میں فیصل آباد سے فرقان بول رہا ہوں۔علی ارشد وفات پا گئے ہیں۔''

فرقان کی آواز غم میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے تین مرتبہ پوچھا: ''کیا کہا آپ نے؟''

انھوں نے تینوں مرتبہ ایک ہی جواب دیا:

''علی ارشد وفات پا گئے ہیں۔''

میرے لیے یہ نہایت غم ناک خبر تھی، جسے سنتے ہی کم و بیش پینتیس سال کے مراسم متشکل ہو کر نظروں کے سامنے گھومنے لگے۔ ان کے ساتھ بے شمار مرتبہ ان کی گاڑی پر مختلف مقامات کے سفر کیے تھے۔ میں جب فیصل آباد جاتا تو ان کی گاڑی ہر وقت میرے لیے موجود ہوتی۔ پھر جہاں جی چاہتا جاتے۔شہر فیصل آباد میں بھی اور شہر کے باہر بھی۔ یہ تمام سلسلہ ذہن میں گردش کرنے اور آنکھوں میں گھومنے لگا۔

میں نے اپنے افرادِ خانہ کو ان کی وفات کی اطلاع دی تو وہ بھی نہایت افسردہ ہوئے۔

اس سے تھوڑی دیر بعد رمضان سلفی کا ٹیلی فون آ گیا۔انھوں نے بھی غم زدہ لہجے میں یہی خبر سنائی۔ پھر میاں طاہر صاحب نے فون کیا۔ بعد ازاں پھر فرقان کا فون آ گیا۔لاہور سے کتاب سرائے (اردو بازار) سے جمال الدین افغانی نے اطلاع دی۔ گھنٹے پون گھنٹے میں مختلف دوستوں کے دس گیارہ ٹیلی فون یہی غم ناک خبر دینے کو آئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

پہلے وفات کی اطلاع کے ٹیلی فون تھے۔ پھر جنازے کے وقت کی اطلاع آنے لگی۔ پتا چلا کہ کل ۱۸۔فروری کو دس بجے جنازہ ان کے گاؤں دھنولا میں ہوگا۔میت وہاں پہنچا دی گئی ہے۔ پھر فیصل آباد سے ایک دوست کا ٹیلی فون آیا کہ جنازہ آٹھ بجے ہوگا۔ میں غم واندوہ کا بوجھ اٹھائے اپنے نواسے نعمان کو ساتھ لے کر شام کے بعد چھ بجے لاہور سے روانہ ہوا۔میاں طاہر صاحب کو پہلے اطلاع کر دی تھی۔ہم ساڑھے آٹھ بجے فیصل آباد پہنچے۔ میاں صاحب گاڑی لے کر بس سٹاپ پر آ گئے تھے۔رات میاں صاحب کے ہاں بسر کی۔ پتا چلا کہ جنازہ نو بجے ہوگا۔ ہم نے مولانا ارشاد الحق اثری کو ساتھ لیا۔علی ارشد کے مکان (اقصیٰ ٹاؤن) سے ان کا گاؤں دواڑھائی میل کے فاصلے پر ہوگا۔اسے فیصل آباد کا محلّہ ہی سمجھنا چاہیے۔

جنازہ جنازگاہ میں آ چکا تھا۔ میں نے چہرہ دیکھا تو آنکھیں بند تھیں۔ایسے معلوم ہوا جیسے سو رہے ہیں۔میرے دیرینہ دوست مولانا محمد یوسف انور جنازہ پڑھانے لگے تو میرے متعلق فرمایا کہ وہ ان کے دوست ہیں، معلوم نہیں لاہور سے آئے ہیں یا نہیں؟ جن دوستوں کو میری آمد کا علم تھا۔ انھوں نے جواب دیا: ''آ گئے ہیں۔'' اب وہ پیچھے ہٹے۔ فرمایا ''آ گئے ہیں تو وہی جنازہ پڑھائیں۔'' یہ ان کی اس فقیر کے لیے عزت افزائی تھی۔ میں آگے بڑھا اور عرض کیا: ''جنازہ آپ ہی پڑھائیں۔''

چناں چہ انھوں نے جنازہ پڑھایا اور تدفین کے بعد میں نے قبر پر دعا مانگی۔جن لوگوں کو ہمارے باہمی مراسم کا علم تھا۔انھوں نے مجھ سے اظہار افسوس کیا اور میرے بارے میں مرحوم کے تاثرات بیان کیے۔ جنازے کے چار گھنٹے بعد میں اور فرقان وہاں سے ان کی گاڑی پر لاہور کو روانہ ہوئے۔

علی ارشد کی وفات ان کے گھر والوں اور رشتے داروں کے لیے تو باعث حزن وملال ہے ہی، ان کے دوست بھی بے حد مغموم ہیں، جن میں ان سطور کا راقم بھی شامل ہے۔

فیصل آباد سے لاہور تک راستے میں میں اور فرقان اپنے دوست علی ارشد کی باتیں کرتے رہے۔فرقان نے بتایا کہ دو چار روز قبل علی ارشد ڈھائی تین ہزار کتابوں کی پہلی قسط اپنے گاؤں لے گئے تھے۔ وہ ان کے ساتھ تھے۔انھوں نے ان کو اپنا گھر بھی دکھایا، جو ان کا مولد تھا۔ جس سکول میں وہ پڑھتے رہے تھے، وہ سکول بھی دکھایا۔قبرستان بھی دکھایا اور کہا کہ ہم نے بالآخر یہیں آنا ہے۔ایسے معلوم ہوتا ہے، جیسے فرشتۂ اجل کی طرف سے ان کے کان میں اپنی موت کی بھنک پڑ چکی تھی۔ فرقان کا بیان ہے کہ انھوں نے ان سے کہا تم نے میرے جنازے میں

ضرور شرکت کرنا ہوگی۔ ان سطور کے راقم کے متعلق بھی وہ باتیں کرتے رہے۔ جنازے کے بعد ان کے گاؤں کے بعض لوگ مجھے ملے، جن سے اس دن سے قبل میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے بتایا کہ علی ارشد آپ کا اکثر تذکرہ کیا کرتے تھے۔

علی ارشد کا اصل ذوق کتابیں خریدنا اور پڑھنا تھا۔ یہی ان کا مقصد حیات اور یہی مطمح نظر تھا۔ ۱۱۔ فروری کو ان سے آخری ملاقات ہوئی۔ اس موقعے پر انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ ۱۵۔ مارچ کو لاہور فورٹرس سٹیڈیم میں کتاب میلہ ہے، جس میں ہندوستان کی شائع شدہ کتابیں بھی ہوں گی۔ چناں چہ وہ ۱۵۔ مارچ کو اس کتاب میلے میں اکیلے لاہور آئے۔ ہندوستان کی چھپی ہوئی چند کتابیں خریدیں اور واپس چلے گئے۔ یہ وفات سے صرف دو روز پہلے کی بات ہے۔ یعنی آغازِ شعور سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک وہ کتابیں خریدتے رہے۔ یہ ذوق ان کا ایسا رفیق زندگی تھا جو ایک لمحے کے لیے بھی ان سے جدا نہ ہوا۔

ان کی وفات پر بہت سے لوگوں نے میرے ساتھ اظہار افسوس کیا۔ ملتان سے مولانا محمد یاسین شاد نے ٹیلی فون پر ان کی تعزیت کی۔ لیکن اس پر ان کی تسلی نہیں ہوئی تو تیسرے دن ملتان سے خود لاہور آئے۔ وہ جتنی دیر میرے پاس رہے، علی ارشد کی مہمان نوازی، دوست داری، خوش مزاجی، وسیع الظرفی اور کتابی ذوق کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

علی ارشد دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اب بہن بھائیوں کو بھائی اور بچوں کو باپ نہیں ملے گا۔ جو اللہ کو منظور تھا، وہ ہوگیا۔ قرآن کے الفاظ میں وقعت الواقعہ۔ حادثہ رونما ہو چکا تاہم اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان کے پس ماندگان کو کوئی مالی یا معاشی پریشانی ان شاء اللہ لاحق نہیں ہوگی۔ جہاں تک ہم جانتے ہیں دنیوی اعتبار سے یہ صاحب حیثیت لوگ ہیں۔ لیکن اب ایک بڑا بلکہ بہت بڑا مسئلہ ان کی لائبریری کا ہے۔ انھوں نے بے حد محنت سے کتابیں جمع کیں۔ ایک ایک کتاب نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ ان میں تفسیر، حدیث، تاریخ، سیرت، مقالات، ملفوظات۔ ادب، شعر وشاعری، سفر نامے، پرانے اور نئے رسائل وجرائد کے خاص نمبر، سیاسیات، شخصیات، مذہبیات، صحافت، رجال، مکاتیب۔ غرض ہر موضوع کی کتابیں موجود ہیں پنجابی شعر وشاعری کا بھی خاصا ذخیرہ ان کے کتب خانے کی زینت ہے۔ معلوم نہیں ان کے ذہن میں کیا منصوبہ تھا اور وہ اپنے گاؤں میں کس انداز سے لائبریری کا سلسلہ چلانے کے متمنی تھے۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کے بھائیوں یا عزیزوں میں سے کسی کو اس سلسلے میں کوئی دلچسپی ہے یا نہیں ہے۔ اس مسئلے پر ان کے وارثوں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ ہزاروں کتابوں میں سے ایک کتاب بھی ضائع نہیں ہونی چاہیے۔ پتا نہیں کتابوں کی فہرست بنی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں بنی تو کسی قابل اعتماد شخص کی نگرانی میں موضوع وار فوری طور پر بنانی چاہیے۔

کتابیں ان کا بہت بڑا اثاثہ تھا اور اس اثاثے کی وہ بے حد حفاظت کرتے تھے۔ کسی کتاب کا ایک ورق بھی ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ اس کا ان کے بہن بھائیوں اور اہل خانہ کو پوری طرح علم ہے۔ ان کے اس اثاثے کو محفوظ رکھنے کی اصل ذمہ داری ان کے قریبی عزیزوں پر عائد ہوتی ہے۔ ہمارے توجہ دلائے بغیر بھی انھیں اس کا احساس ہوگا۔

علی ارشد کی یہ کاغذی سطح کی صف ماتم لپیٹ دی گئی۔ لیکن دل کے آنگن اور یادوں کے صحن میں ان کی صف ماتم ہمیشہ بچھی رہے گی۔

اب آیے میرے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس مخلص ترین علم دوست اور رفیق کتاب ساتھی کو، جسے علی ارشد کہا جاتا تھا، جنت الفردوس میں جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے ان کی اہلیہ کو جو چند لمحوں میں بیوی سے بیوہ ہوگئیں، ان کے بچوں کو جو پل بھر میں باپ کی شفقت سے محروم ہوگئے۔ ان کے بہن بھائیوں کو جن کا مضبوط بازو اچانک ٹوٹ گیا۔ ان کے رشتے داروں کو جن کا رشتہ ان سے منقطع ہوگیا۔ ان اصحاب علم کو جن کی ان سے علمی گفتگوؤں کا دروازہ بند ہوگیا اور ان کے دوستوں کو جن کا خوش گفتار دوست انھیں داغ مفارقت دے گیا۔ آمین یارب العالمین

آخر میں ایک مرتبہ پھر دعا کر لیجیے۔

اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه . اللهم اكرم نزله ووسع مدخله وادخله جنت الفردوس .



جائزۃ الاحوذی

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن عقیل حفظہ اللہ

[رئیس الهیئة الدائمة بمجلس القضاء الأعلی ،ریاض،سعودی عرب] کی نظر میں

الحمد للّٰہ وأصلی وأسلم علی عبده ورسوله محمد وآله وصحبه وبعد:

جائزة الاحوذی فی التعلیقات علی سنن الترمذی جو کہ شیخ ابونصر حافظ ثناءاللہ مدنی کی تالیف ہے، میں نے اس کتاب کو اپنے موضوع میں مکمل پایا ہے۔ میری مراد اس دور کے عظیم مجموعہ کتب میں جامع ترمذی کی شرح ہے۔ یہ شرح جو سمجھنے کے لحاظ سے بہت آسان اور فائدہ مند ہے، اس شرح کا مقدمہ نہایت عمدہ ہے، اس سے قاری کو جامع ترمذی کی تالیف کا مقصد اور اس کی اہمیت کے متعلق آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

مؤلف حفظہ اللہ نے اس مقدمہ میں بہت اہم علمی نقاط بیان کیے ہیں اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت واہمیت بیان کرتے ہوئے اہل بدعت کا ردّ کیا ہے جو صرف قرآنِ مجید کو حجت مانتے ہیں اور حدیث رسول کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح محدثین کا مقام ومرتبہ اور ان کی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عظیم خدمت اور ان کی کوششوں کو اس مقدمہ میں سراہا گیا ہے۔

جامع ترمذی کی اہمیت اور اس کی ممیزات پر اہم بحث کی گئی ہے جو اسے دوسری کتب احادیث سے ممتاز کرتی ہے اور یہ بحث اہل علم کے لیے بہت مفید ہے۔ یہ کتاب ''جامع ترمذی'' چودہ علوم پر مشتمل ہے۔ پھر جن علماء نے اس عظیم کتاب پر کام کیا ہے مؤلف نے ان علما میں سے چند ایک کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مؤلف نے جامع ترمذی کے معتمد نسخے اور اسی طرح ''علل ترمذی'' پر بھی بحث کی ہے۔ اس طرح کتب صحاح میں ترمذی کا جو منہج ہے وہ بیان کرتے ہوئے اس چیز کو واضح کیا ہے کہ امام صاحب نے اس کتاب پر کس قدر محنت کی ہے۔

یہ شرح، **تحفة الاحوذی شرح جامع ترمذی** جس کے مؤلف علامہ محمد بن عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ ہیں، کی تہذیب (خلاصہ) ہے۔ اختصار کے لیے جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے اس کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ سب سے اہم بات ان جگہوں کی اصلاح ہے جہاں عقیدے کی غلطیاں ہیں جن کا تعلق توحید اسماء وصفات کے ساتھ ہے۔ جنھیں مبارک پوری رحمہ اللہ نے اشاعرہ اور ماتریدیہ کی کتب سے نقل کیا ہے۔

چناں چہ مؤلف نے ان کا ردّ کیا ہے اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے عقیدے کو ثابت کیا ہے۔ مبارک پوری رحمہ اللہ نے جن اَحادیث کی شرح نہیں کی حافظ مدنی حفظہ اللہ نے ان احادیث کی شرح بھی بیان کر دی ہے۔

مؤلف نے **تحفة الاحوذی** کے اختصار اور تہذیب پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ دوسری کتب سے فوائد جمع کر کے اس شرح کے ساتھ ملا دیئے ہیں۔ دوسری کتب جن سے استفادہ کیا، ان میں **فتح الباری لابن حجر، تفسیر ابن کثیر، ارواء الغلیل للالبانی، القاموس المحیط** از فیروز آبادی اور دوسری اہم کتب شامل ہیں۔

جہاں مؤلف حفظہ اللہ نے فائدہ ذکر کیا ہے اس کے سامنے اس کا مرجع بھی ذکر کر دیا ہے۔ مؤلف نے عصر حاضر کے بعض علماء کے فتاویٰ بھی نقل

کیے ہیں جن کی بہت ضرورت تھی۔ان فتاویٰ نے کتاب کے حسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔جن علماء کے فتاویٰ ذکر کیے ہیں ان میں شیخ ابن باز، شیخ صالح بن العثیمین، شیخ محمد ناصر الدین الالبانی، حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہم اللہ اور اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء کے فتاویٰ جات شامل ہیں۔

مؤلف نے حدیث کے درجہ صحت اور ضعف کا اہتمام کیا ہے۔ متن حدیث ذکر کرنے سے پہلے نہایت اختصار سے حدیث کا درجہ ذکر کرتے ہیں اور اس کا حکم واضح طور پر ''بین القوسین'' ذکر کرتے ہیں۔ متن حدیث ذکر کرنے کے بعد بریکٹوں کے درمیان اس کا حکم نقل کرتے ہیں۔اس طریقہ سے قاری کے لیے درجہ حدیث تک پہنچنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔

یہ شرح باقی شروحات کے لحاظ سے اَوسط درجہ کی ہے یعنی نہ زیادہ مفصل ہے اور نہ ہی زیادہ مختصر۔شرح کا حجم، متن کا حجم کے ساتھ متناسب ہے اور قاری ایک ہی صفحہ میں متن اور اس کی شرح پڑھ لیتا ہے۔اس کا فائدہ یہ ہے کہ قاری ذہن حاضر رکھتے ہوئے شرح کو آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔

آخر میں، میں اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اس شرح کو پڑھیں اور اس سے مستفید ہوں۔مؤلف حفظہ اللہ نے علمی ذوق رکھنے والوں کے لیے بہت محنت اور جدوجہد کرکے اسے تالیف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس عظیم کوشش پر انھیں جزائے خیر دے اور مؤلف حفظہ اللہ کے لیے ذریعۂ نجات بنائے، آمین

حامدا لله مصليا ومسلما على عبده ورسوله محمد وآله وصحبه أجمعين .



دعائے صحت کی درخواست:

مولانا عطاء الرحمٰن ثاقب شہید رحمہ اللہ اور قاری ثناء الرحمٰن کوکب کی والدہ محترمہ گزشتہ دنوں سے شدید علیل ہیں۔قارئین موصوفہ کی صحت وتندرستی کے لیے دعا فرمائیں۔ [حافظ عبدالوحید مدیر دار الفلاح، لاہور]

حاجی عبدالحق (کمیانہ، فیصل آباد) کی وفات:

مولانا حاجی عبدالحق صاحب مہتمم مدرسہ رحمانیہ اہل حدیث چک نمبر ۴۰۵ گ ب کمیانہ ضلع فیصل آباد گزشتہ دنوں ۲۱ فروری ۲۰۰۹ء بروز ہفتہ وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔مرحوم ایک نیک طینت اور خاموش طبع عالم دین تھے۔بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک مدرسہ انھوں نے جاری کیا ہوا تھا۔طویل عرصے تک اس کا انتظام وانصرام فرماتے رہے۔قارئین مرحوم کی مغفرت وبلندی درجات کے لیے دعا فرمائیں۔[انتظامیہ مدرسہ ہذا]

جامعہ امّ عالیہ للبنات حجرہ شاہ مقیم کا قیام:

طالبات کی دینی تعلیم کے لیے حجرہ شاہ مقیم میں جامعہ ام عالیہ للبنات کا قیام تقریباً سوا دو سال قبل عمل میں لایا گیا ہے۔جس کا نصاب والحاق وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان سے ہے جسے گورنمنٹ کے ہاں ایک تسلیم شدہ اور منظور شدہ باوقار مقام حاصل ہے۔مزید برآں طالبات کی جدید عصری تعلیم کے لیے ایک اسلامک ایجوکیشن ماڈل ہائی سکول چل رہا ہے جس میں قابل، تجربہ کار، لیڈی سٹاف کام کر رہا ہے۔اہل علاقہ کے بچوں کے لیے داخلہ جاری ہے۔احباب سے عشر گندم، زکوٰۃ وصدقات سے خصوصی تعاون کی اپیل ہے۔

[ناظم جامعہ (مولانا) محمد حسین حجروی مغل کالونی اٹاری روڈ حجرہ شاہ مقیم اوکاڑا۔موبائل: 0301-7373533]

فہرست کتب

۲۹۷،۳۳۱ ابوحنیفہ رحمہ اللہ (مجموعہ ۲ کتب)

ل۱۵۵ف فقہ اکبر،ص:۲۴،مطبع اسلامیہ لاہور

۲۔معین القضاۃ والمفتین (عربی) مولانا شمس الحق افغانی

۲۹۷،۳۳۱ احمد رضا خاں بریلوی

ل۲۸۱ احکام شریعت،ص:۲۱۶

۲۹۷،۳۳۱ اشرف علی تھانوی

ل۴۵۵ب بہشتی زیور،۱۱حصہ،تعمیری کتب خانہ کالج روڈ راولپنڈی۔ س،ن

۲۹۷،۳۳۱ اشرف علی تھانوی (مجموعہ سات رسائل)

ل۵۵ت ۱۔تحذیر الاخوان عن الربوا فی الہندوستان،اثر المطابع تھانہ بھون

۲۔کشف الغشوۃ عن وجہ الرشوۃ

۳۔التقی فی احکام الرقی

۴۔الحق الصراح فی اجرۃ الانکاح

۵۔التوریع عن فساد التوزیع

۶۔رافع الضنک عن منافع البنک

۷۔قصد السبیل الی المولی الجلیل

۲۹۷،۳۳۱ علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی

ل۵۴۵ج جنتی زیور،ص:۵۲۵،ضیاء القرآن پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

۲۹۷،۳۳۱ مولانا امجد علی صاحب

ل۶۸ب بہار شریعت،۲مجلد مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور

۲۹۷،۳۳۱ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ث۲۷م معقولات حنفیہ،ص:۲۴،مکتبہ عزیزیہ چوک دالگراں لاہور

۲۹۷،۳۳۱ قاضی ثناء اللہ پانی پتی

ث۲۷م کشف الحاجۃ ترجمہ مالا بد منہ،ص:۹۶،ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب لاہور

۲۹۷،۳۳۱ محمد صابر حسین

ح۴۴۱ع علم الفقہ،ص:۸۰،نسیم بک ڈپو حیدرآباد سندھ ۱۹۸۶ء

۲۹۷،۳۳۱ جناب محمد پالن حقانی

ح۶۲ش شریعت یا جہالت،ص:۵۲۷،مکتبہ صدیقیہ صدیق آباد ضلع ساہیوال جولائی ۱۹۷۶ء

۲۹۷،۳۳۱ مولوی رحیم بخش

ر۵۵ل اسلام کی تیسری کتاب مع فرہنگ،ص:۱۰۰، پنجاب پریس لاہور

۲۹۷،۳۳۱ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ر۵۱۴ج جدید فقہی مسائل (اوّل دوم)،ص:۴۴۰،حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور اکتوبر ۱۹۸۹ء

۲۹۷،۳۳۱ مولانا سید زوّار حسین شاہ

ز۶۱ز زبدۃ الفقہ،ص:۱۲۸،ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی ۱۹۸۵ء

۲۹۷،۳۳۱ مولانا عبید اللہ سندھی

س۹۰۳ل اردو شرح حجۃ اللہ البالغۃ،ص:۳۹۵،محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی لاہور ۱۹۵۰ء

۲۹۷،۳۳۱ مولانا شائستہ گل،مترجم:احمد الدین سیفی

ش۲۰۷م مسائل عمامہ ترجمہ الحجۃ التامۃ فی اثبات العمامۃ،ص:۸۸ ادارہ سیفیہ باغبان پورہ لاہور ۱۴۱۷ھ

۲۹۷،۳۳۱ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

ش۵۸ج جواہر الفقہ،۲مجلد مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴۰۳ھ

۲۹۷،۳۳۱ اشرف علی تھانوی

ش۵۸ب بوادر النوادر ۲مجلد،ص:۸۳۰،مکتبہ اشرف العلوم دیوبند ضلع سہارن پور

۲۹۷،۳۳۱ محمد عبدالمجید

ع۳۰م مجالس الابرار مع ترجمتہا الترجمہ بمطارح الانظار،ص:۵۸۰ مطبعہ المجیدیہ الکائنۃ فی بلدۃ کانفور

۲۹۷،۳۳۱ محمد عبدالشکور

ع۳۹ع علم الفقہ ،۶ مجلد، کتب خانہ اعزازیہ دیوبند، یوپی

۲۹۷،۳۳۱ محمد عبدالحیٔ اللکنوی

ع۳۱م مجموعۃ الرسائل الخمس المطبع الیوسفی لمحمد یوسف الانصاری الکنوی

۲۹۷،۳۳۱ عبدالقادر بداونی

ع۴۷ن نجات الرشید،ص:۵۳۱، ادارہ تحقیقات پاکستان پنجاب لاہور۱۹۷۲ء

۲۹۷،۳۳۱ مولانا محمد عاشق الٰہی

ع۷ات تحفہ خواتین،ص:۱۰۲۸،مکتبہ دارالعلوم کراچی ۔س،ن

۲۹۷،۳۳۱ مولوی سید محمد عبداللہ

ع۵۸ک کتاب الشفعہ ،ص:۳۳۲، تاج پریس یوسف بازار حیدر آباد دکن ۱۹۵۲ء

۲۹۷،۳۳۱ فقیر فتح محمد قادری

ف۳۵ح حنفی پاکٹ بک،ص:۲۵۶، انجمن حزب الاحناف جلال پور پیروالا ضلع ملتان ۱۹۵۷ء

۲۹۷،۳۳۱ مولانا محمد قاسم قاسمی

ق۳۰۴ب بارہ مسائل علماء اہل حدیث کی نظر میں (طلاق ثلاثہ، ننگے سر نماز کی حیثیت، مکالمۃ الصدرین، افادات اشرفیہ کا دوسرا رخ، مولوی کا دین، ابوحنیفہ اکیڈمی فقیر والی ضلع بہاولنگر

۲۹۷،۳۳۱ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

ق۳۰۴ج جدید فقہی مباحثات، ۵ مجلد، ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی



''تذکرۃ الابرار'' میں چند تسامحات کی تصحیح

گزشتہ دنوں ''تذکرۃ الابرار'' مصنفہ ومرتبہ ڈاکٹر پروفیسر عبدالغفور راشد صاحب (ناظم طبع وتالیف مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان) دیکھ رہا تھا۔ اس میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بانی دارالحدیث راجووال ضلع اوکاڑا کے مضمون میں چند تسامحات نظر سے گزرے ہیں۔ ان کی تصحیح کی خاطر سطور ذیل لکھی جا رہی ہیں:

① ...... ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا محمد یوسف صاحب کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ ان کی شادی شاہ عبدالرحمٰن رحمہ اللہ پٹوی، کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی اور حق مہر سورۂ نور کا ترجمہ پڑھانا مقرر ہوا تھا۔

جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ مولانا محمد یوسف صاحب کی شادی ان کی سگی خالہ کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی اور حق مہر والی بات درست ہے۔

② ...... شاہ عبدالرحمٰن پٹوی رحمہ اللہ جن کا تذکرہ اس کتاب کے ص۵۴ تا ص۵۶ پر کیا گیا ہے۔ آپ مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہ کی شادی پر نکاح خواں تھے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحمٰن پٹوی رحمہ اللہ مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہ کے سسر نہیں تھے۔

اسی طرح شاہ صاحب کی تاریخ وفات ۱۹۵۲ء درج کی گئی ہے جب کہ شاہ صاحب ۱۹۶۱ء کو فوت ہوئے تھے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف تذکرۃ الابرار کے آئندہ ایڈیشن میں مذکورہ تسامحات کی ضرور تصحیح فرمالیں۔

[عنایت اللہ امین، مدرس دارالحدیث، راجووال]

مولانا محمد اسحاق حقانی کی اہلیہ کی وفات

مولانا محمد اسحاق حقانی (مدرس جامعہ اہل حدیث چوک دالگراں لاہور) کی اہلیہ محترمہ ۳۔ اپریل ۲۰۰۹ء کو وفات پاگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ صالحہ وعابدہ خاتون تھیں۔ قارئین دعائے مغفرت فرمائیں۔ [لواحقین]



یہ روحِ انقلاب سے ہے بے خبر ابھی
دُزدیدۂ فریب ہے اس کی نظر ابھی
تاریک شب کی زد میں ہے اس کی سحر ابھی
اس پر کھلی نہ دانشِ خیرالبشرؐ ابھی
بنیاد جس سے ہے ابدی انقلاب کی
بھولا اُسے تو اپنی ہی مٹی خراب کی

بھٹکا ہوا ہے جب سے رہِ مستقیم سے
نکلا ہے جب سے درسِ الف لام میم سے
جب سے کٹا ہوا ہے کلام و کلیم سے
ٹھنڈک دلوں کی مانگ رہا ہے جحیم سے
بے راہ منزلوں کا ہے رہوار آدمی
اپنی ہی جان کا ہے خود آزار آدمی

کیسے تجھے بتاؤں ، یہاں کیا ہے آدمی
بے برگ و گل زمانہ ہے صحرا ہے آدمی
بے کیف انجمن ہے کہ تنہا ہے آدمی
بے چارگی میں ایک تماشا ہے آدمی
اس عقلِ بے خروش میں کوئی جنوں نہیں
لگتا ہے ، آدمی کی رگِ جاں میں خوں نہیں